ماہنامہ

اہل السنۃ

Ahl Us Sunnah

اتباع الکتاب والسنۃ بفہم سلف الأمۃ

June 2021

جون ۲۰۲۱ء

اسلام میں توہین رسالت کی سزا اور توہین وتردید کا فرق

خطبۂ غدیر خُم اور اہل بیت کے حقوق (قسط نمبر: ۷)

رشوت اور اس کی مروجہ شکلیں

توحید باری تعالیٰ کی اہمیت وفضیلت

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی | 113 | نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

دعاؤں کی قبولیت کے آداب و شرائط

☆ حضورِ قلب اور خشوع خضوع سے دعا کی جائے۔

☆ اَکلِ حَلال پر قناعت اور حرام آمدنی سے اجتناب کیا جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور نواہی (منع کردہ کاموں) سے بچا جائے۔

☆ دعاؤں کی قبولیت کے خصوصی اوقات میں بالخصوص دعائیں کی جائیں۔

☆ قطع رحمی اور گناہ کی دعا نہ کی جائے، صرف جائز امور کے لیے دعا کی جائے۔

☆ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا جائے، بلکہ دعا کا سلسلہ تسلسل سے جاری رکھا جائے۔ قبولیتِ دعا میں تاخیر سے مایوس نہ ہوا جائے، بلکہ قبولیت کی امید پر اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہا جائے، چاہے عمر گزر جائے۔

دعاؤں کا فائدہ ہی فائدہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو کہ یہ بندہ جو کچھ مانگ رہا ہے، وہ اسے نہیں دینا کیونکہ مستقبل کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، بندے کو نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مطلوبہ دعا کے بجائے، اس کے بدلے میں اس سے کسی برائی کو ٹال دیتا ہے، یا اس کو اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے۔ [مسند أحمد:١١١٤٧]

☆ دعا اس یقین سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي" "بندہ میرے ساتھ جیسا گمان کرتا ہے، میں اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں" [صحيح البخاري:٧٤٠٥، ٧٥٠٥]

اللہ تعالیٰ ہمیں ان آداب و شرائط کے ساتھ دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ حصن المسلم

Ahlus Sunnah Volume No.9, Issue No.113, June 2021

ماہنامہ

جون ۲۰۲۱ء

جلد: ۹
شمارہ: ۱۱۳
فی شمارہ -/Rs. 30
سالانہ -/Rs. 300

اہل السنة
Ahlus Sunnah

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی — نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر : کفایت اللہ سنابلی — رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی — رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبیدالرحمٰن مدنی • شیخ نورالحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: • Current Account : ICICI Bank • Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 • IFSC Code : ICIC0001028 • Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم الله الرحمن الرحيم

اهل السنة
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

اسلام میں توہین رسالت کی سزا اور توہین وتردید کا فرق	کفایت اللہ سنابلی	05
خطبۂ غدیر خُم اور اہل بیت کے حقوق (قسط نمبر:۷)	ارشاد الحق اثری	07
کتاب ''چاردن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات (نویں قسط)	زبیر یحییٰ عالیاوی	16
رشوت اور اس کی مروجہ شکلیں	عبدالکریم رواب علی سنابلی	27
سندِ عالی	فاروق عبداللہ نراین پوری	31
فتویٰ بازی......ایک لمحۂ فکریہ	جمیل احمد ضمیر سنابلی	37
کیا عید کے دن تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم کہنا......	حافظ اکبر علی اختر علی سلفی	39
اعمال صالحہ کی تجارت رب کے ساتھ	نسیم احمد انصاری	41
توحید باری تعالیٰ کی اہمیت وفضیلت	عائشہ فخر الدین نوریہ	44

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

اسلام میں توہین رسالت کی سزا اور توہین و تردید کا فرق

کفایت اللہ سنابلی

توہین اور تردید کا فرق سمجھنا بہت ضروری ہے جو لوگ یہ فرق نہیں سمجھ پاتے وہ دوسروں کی تردید اور اختلاف رائے کو بھی توہین سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جواباً ان پر سب وشتم اور توہین کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ کسی کی توہین کرنا درست نہیں تو کہتے ہیں ہماری بھی تو توہین کی جاتی ہے، حالانکہ ان کی کسی نے توہین نہیں بلکہ تردید کی ہوتی ہے۔

یہی غلط فہمی اور ہٹ دھرمی ان غیر مسلموں کی بھی ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کی توہین کرتے ہیں، اور جب ان کے خلاف احتجاج کیا جائے تو جواب یہ دیتے ہیں کہ مسلمان بھی ہمارے معبودوں اور ہماری مقدس ہستیوں کی توہین کرتے ہیں، پھر اگر ان کے نبی ﷺ کے بارے میں ہم نے زبان کھول دی تو کون سا جرم کیا؟

ان کے اس جواب پر کچھ بھولے بھالے مسلمان بھی حیران ہو جاتے ہیں، اور یہ سوچنے لگتے ہیں کہ آخر ہم بھی تو دوسروں کے خلاف بولتے رہتے ہیں پھر یہ سوچ کر تسلی کر لیتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اس لئے ہمیں بولنے کا حق ہے اور دوسرے لوگ باطل پر ہیں اس لئے ہم انہیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔

حالانکہ یہ سوچ اسلام کے سراسر خلاف ہے، دراصل یہ لوگ توہین اور تردید کا فرق نہیں سمجھ پا رہے اور خلط مبحث کے شکار ہیں۔

اسلام میں یہ تعلیم تو ہے کہ غلط کو غلط کہا جائے یعنی باطل کی تردید کی جائے لیکن اسلام اس کی اجازت قطعاً نہیں دیتا کہ اہل باطل کی توہین کی جائے، اس لیے تردید کا جواب توہین سے دینا اور اسلام اور مسلمانوں پر دوسروں کی توہین کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔

قرآن مجید معبودانِ باطلہ کے رد سے بھرا ہوا ہے لیکن معبودانِ باطلہ کی توہین میں پورے قرآن میں ایک حرف بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس قرآن نے صراحت کے ساتھ اس بات سے منع کر دیا ہے کہ معبودانِ باطلہ پر سب وشتم کیا جائے یا ان کی توہین کی جائے، ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَالِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

”اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے“ [الأنعام:۱۰۸]

غور کریں کہ وہ معبودانِ باطلہ جنہیں اللہ کے بالمقابل کھڑا کیا گیا ہے جب ان کی توہین کی اجازت اسلام میں نہیں ہے تو بھلا کسی اور کی توہین کی اجازت اسلام کیسے دے سکتا ہے؟

اسلام کی نظر میں انسانیت کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اور قرآن میں متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ اسے تمام انسانوں کا عدوٌّ مبین کہا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود شیطان پر بھی سب وشتم کی اجازت اسلام میں نہیں، بلکہ اللہ کے نبی ﷺ نے پوری صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو اس بات سے روک دیا کہ وہ شیطان پر سب وشتم کریں، حدیث رسول ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيرَة، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:" لَا تَسُبُّوا الشَّيْطَانَ وَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ "

یعنی اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:''کہ شیطان کو گالی نہ دو بلکہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو''[المخلصيات: رقم: ١٥٧٢، وصححه الالبانى على شرط البخارى فى الصحيحة :رقم:٢٤٢٢]

غور کریں جو اسلام، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن''شیطان''پر سب وشتم کی اجازت نہیں دیتا کیا وہ اپنے متبعین کو یہ تعلیم دے سکتا ہے کہ اپنے مخالفین پر سب وشتم کرو یا ان کی توہین کرو؟

صرف یہی نہیں کہ اسلام نے دوسروں پر سب وشتم سے منع کیا ہے بلکہ اسلام نے کسی کو یہ بھی اجازت نہیں کی کہ وہ اپنے آپ پر سب وشتم کرے حالانکہ یہ انسان کا اپنا معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے کے لیے ایذا رسانی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلَكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي "

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا بلکہ یوں کہے میرا نفس سستی و کاہلی کا شکار ہوگیا''[بخاری: كتاب الادب:باب لايقل خبثت نفسى :رقم:٦١٧٩]

الغرض یہ کہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کسی پر شب وشتم کیا جائے چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے، موافقین ہوں یا مخالفین۔

ہاں اسلام غلط کو غلط کہنے اور باطل کو رد کرنے کا حکم دیتا ہے، اور اگر کوئی غیر مسلم اسلام کو بھی غلط کہے اور اسے باطل کہہ کر رد کردے تو اس کے لئے وہ آزاد ہے۔

لیکن اسلام میں کسی کی توہین کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اسلام اور اللہ کے نبی ﷺ کے خلاف زبان درازی کریں یا سب وشتم اور اہانت کریں۔

اگر کوئی اللہ کے نبی ﷺ کو نہیں مانتا تو نہ مانے اس میں وہ آزاد ہے لیکن اگر کوئی اللہ کے نبی ﷺ کی توہین کرتا ہے تو وہ قطعاً آزاد نہیں بلکہ اسلام میں اس کے لئے سزائے موت ہے۔

اسلام ادیانِ باطلہ کی تردید کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی آزادی دیتا ہے کہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تو وہ اسے رد کر سکتے ہیں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے، اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے''[البقرة : ٢٥٦]

لیکن اسلام دوسرے کسی بھی مذہب یا اس کے رہنماں کی توہین نہیں کرتا اس لئے دوسروں کو بھی اس بات کا حق نہیں کہ وہ اسلام یا نبی اکرم ﷺ کی توہین کریں۔

ضروری ہے کہ توہین اور تردید کے فرق کو سمجھا جائے اور اپنے مخالفین کی صرف تردید کی جائے نہ کی توہین۔

قسط نمبر: (۷)

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

۳۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اختصاص:

مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں'' [الاحزاب:٦]

مسلمان اگر کسی کو منہ بولی ماں کہتا ہے تو وہ احترام کے علاوہ کسی طور پر اس کی ماں نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیویاں تمام مومنوں کی مائیں ہیں اور ان کی عزت وتکریم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح بھی جائز نہیں، جیسا کہ سورۃ الاحزاب ہی میں فرمایا:

﴿وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾

''اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک یہ بات ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے'' [الاحزاب:٥٣]

یعنی یہ بہت بڑا گناہ ہے کیوں کہ نبی ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، کسی کے عقد میں آجانے کے بعد کیا ان کا کما حقہ احترام رہ سکتا ہے؟ ان سے نکاح کی ممانعت کی اور بھی حکمتیں ہیں، مگر اس کی تفصیل یہاں طوالت کا باعث ہوگی۔

جنگ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جنگ ختم ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، سلام کہا اور فرمایا:

''کیف انت یا امه'' ''اماں جان! آپ کا کیا حال ہے؟''

فرمایا: ٹھیک ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے۔

بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: مال غنیمت تقسیم کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع کی اور کہا: ہمارے لئے ان کا خون حلال ہے تو ان کے مال حلال کیوں نہیں؟ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو فرمایا:

"ایکم یحب ان تصبر ام المومنین فی سھمہ"

"تم میں سے کون چاہتا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہن اس کے حصے میں آئیں"؟

توسب خاموش ہوگئے۔

جنگ وجدال میں فریقین کے جس قدر افراد شہید ہوئے، سب کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، پھر بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں ٹھہری ہوئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ ملنے کی اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دی تو انہیں سلام عرض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرحبا کہا۔ اور جب انہوں نے بصرہ سے جانے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری، زادراہ اور دیگر ضرورت کا سامان بھیجا اور ساتھ اہل بصرہ کی چالیس معروف خواتین کو اور ان کے بھائی حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور کئی میل تک ان کے ہمراہ چلے اور فرمایا: دنیا اور آخرت میں یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔[البدایة والنهایة: ۲٤٤/۷، ۲٤٥، ملخصاً]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قدر ومنزلت کیا تھی۔ وہ ہمیشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کے معترف رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کا آل رسول ﷺ میں سے ہونا بیان کرتی تھیں، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سیاہ بالوں سے بنی ہوئی دھاری دار چادر میں نکلے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں چادر میں لے لیا، پھر اسی طرح حضرت حسین، حضرت فاطمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہن آئے تو انہیں چادر کے نیچے لے لیا، پھر فرمایا:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا"[صحيح مسلم: ٢٤٢٤]

کئی مواقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سائل نے فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا۔

اس لئے یہ باور کرانا کہ دونوں کے دلوں میں باہمی خلش تھی، روافض کا پراپیگنڈہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تیرے اور عائشہ کے مابین اختلاف ہوگا"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: تب تو میں بہت بدنصیب ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، جب ایسا ہو تو انہیں ان کے ٹھکانے پر پہنچا دینا"۔[احمد، البزار]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[فتح الباری: ٥٥/١٣] علامہ ہیثمی نے کہا کہ اس کے راوی

ثقہ ہیں۔[مجمع :۲۳٤/۷]

جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حج کے لئے جاتی تھیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کا سارا انتظام انصرام کرتے۔ طیالسہ کے بنے ہودج تیار کرواتے اور انہیں ایسی وادی میں ٹھہراتے جو گزرگاہ نہ ہوتی۔[الاصابۃ :٤/ ۱۷۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت میں مروی ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ تشریف لائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں اور بہت روئیں۔ جب آپ ﷺ نے انہیں غم ناک دیکھا تو دوبارہ ان سے سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے بعد میں ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے مخفی بات کہی تو آپ رونے لگی تھیں، وہ کیا بات تھی؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار نہیں کرنا چاہتی۔ جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

”عزمت علیک بحالی علیک من الحق “

”میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس حق کی بنا پر جو میرا تم پر ہے“۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا بات کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں اب بتلاتی ہوں، چنانچہ انہوں نے مجھے بتلایا کہ پہلی بات جو سرگوشی کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے بتلایا کہ ”جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا ایک بار دور کرتے تھے، اس سال دو بار دور کیا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اے فاطمہ! اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا۔ میں تیرے لئے بہتر پیش رو ہوں۔“ تو میں رونے لگی۔ جب آپ نے مجھے روتے دیکھا تو دوسری بات یہ سرگوشی کی: ”اے فاطمہ! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو تمام مومن عورتوں کی سردار بنے!“ یا یہ فرمایا: ”اس امت کی عورتوں کی سردار بنے!“ تو میں ہنسنے لگی۔[صحیح بخاری : رقم:۳٦۲۳،۳٦۲٤،٦۲۸٥، ٦۲۸٦صحیح مسلم :وغیرہ]

غور فرمائیے کہ وہ کیا حق تھا جسے جتلاتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قسم دلائی؟ ظاہر ہے کہ وہ ان کے ماں ہونے کا حق تھا جسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تسلیم کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس عظیم فضیلت کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل بیت:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی آل اولاد کا احترام کیا اور ان کے مقام و مرتبے کا اعتراف کیا۔

(۱)...... چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ،لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَیَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ“

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے“[صحیح البخاری :رقم:۳۷۱۲،وغیرہ]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ”باب قرابة رسول اللّٰه ﷺ “میں ذکر کیا ہے۔

(۲) ......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ارْقُبُوا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی أَهْلِ بَیْتِهِ“

”حضرت محمد ﷺ کا خیال اور لحاظ آپ کے اہل بیت میں رکھو“[صحیح البخاری :رقم :۳۷۱۳،۳۷۵۱]

یعنی ان کی تعظیم کرتے رہو اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔ان کی طرف کسی بری بات کی نسبت نہ کرو۔جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ والدین کی وفات کے بعد ان کے دوستوں سے حسن سلوک والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور بہت بڑی نیکی ہے۔اسی بنا پر غالباً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو عزت واحترام ہم آنحضرت ﷺ کا کرتے تھے، اب اس کا لحاظ ان کے اہل بیت میں رکھو۔

(۳)......حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا ہے اور فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں،علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔[صحیح البخاری:رقم :۳۷۵۰]

(۴)......جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”فواللّٰه لاسلامک یوم أسلمت کان أحب الی من اسلام الخطاب لو أسلم ، ما بی الا قد عرفت أن اسلامک کان أحب الی رسول اللّٰه ﷺ من اسلام الخطاب لو أسلم “

”اللہ کی قسم جس روز آپ اسلام لائے تھے،آپ کا اسلام قبول کرنا مجھے زیادہ محبوب تھا میرے والد خطاب کے اسلام لانے سے اگر وہ ایمان لے آتے،اس لیے کہ میں جانتا ہوں آپ کا اسلام لانا رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا خطاب کے اسلام لانے سے اگر وہ اسلام لے آتے“۔[سلسلة الاحادیث الصحیحة:رقم:۳۳٤۱]

عہد فاروقی میں قحط پڑتا تو اسی ناطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صلاۃ استسقا یا دعائے استقا کے لئے کہتے اور فرماتے:

”اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِینَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ:

فَیُسْقَوْنَ"

"اے اللہ! (پہلے) ہم اپنے نبی ﷺ کو تیرے لئے وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں پانی پلا دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیرے لیے وسیلہ بناتے ہیں، ہم کو پانی پلا۔ تو اللہ تعالیٰ پانی برسا دیتا تھا" [صحيح البخاري: رقم: ١٠١٠، ٣٧١٠]

محل غور یہ بات ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان حضرت علی اور دیگر عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہر نوع افضل تھے، لیکن بایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بارش کے لئے وسیلہ بنایا، اس لئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اسی طرح سمجھتے تھے جیسے بیٹا باپ کو سمجھتا ہے، اس لیے لوگو! رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر وان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور انہیں وسیلہ بناؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

"عم الرجل صنو أبيه"

"آدمی کا چچا باپ کے مانند ہے" [سنن ترمذی: رقم: ٣٧٦١، وغيره]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہ دعا بھی ذکر کی ہے جو اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ دیکھئے: [فتح الباری: ٤٩٧/٢]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حدیث کی شرح کے آخر میں لکھا ہے:

"ويفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاة واهل بيت النبوة"

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قصے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اہل خیر اور نیک لوگوں سے اور نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے دعا کروانا مستحب ہے"

اسی طرح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرانے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے:

"ولهٰذا قال الفقهاء: يستحب الاستسقاء بأهل الخير والدين، والافضل أن يكونوا من أهل بيت النبي ﷺ"

"اسی لئے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ اہل خیر اور اہل دین سے بارش کی دعا کروانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت میں سے ہوں" [اقتضاء الصراط المستقيم: ص: ٣٩٨، طبع الثانية: ١٩٥٠ء]

ایک عجیب قصہ ہے کہ شیخ حمزہ بن قاسم بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب (وفات: ۳۳۵ھ) سے دعائے استقاء کے لیے کہا گیا تو انہوں نے اپنی داڑھی کو پکڑا اور اللہ

تعالیٰ سے یوں دیا کی:

”اللھم انی من ولد ذلک الرجل الذی اشقی بشیبته عمر بن الخطاب رضی الله عنه ، فسقوا، اللھم فاسقنا، فمازال یردد و یتوسل بھذا الوسیلة حتی سقو“.

”اے اللہ! میں اس شخص کی اولاد میں سے ہوں جس کے بڑھاپے کی بنا پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا کرائی تھی تو انہیں پانی مل گیا تھا۔اے اللہ! ہمیں بھی پانی پلا۔یہی دعا بار بار وہ دہراتے رہے اور یہ وسیلہ بناتے رہے،تا آنکہ انہیں پانی مل گیا“ [تاریخ بغداد:۱۸۲/۸، کرامات الاولیاء، شرح اصول اعتقاد أهل السنة للالکائی:۱٤٦/۹]

اس لئے دوسرے اہل خیر کے ہوتے ہوئے بھی اہل بیت سے دعا کروانا افضل ہے،جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔اور یہ اہل بیت کی بہت بڑی فضیلت ہے۔اس کی صالحیت اگر چہ دوسرے صالحین اور اہل دین سے کم تر ہی کیوں نہ ہو،مگر آنحضرت ﷺ کی قرابت داری کا جو شرف اسے حاصل ہے،وہ سب پر بھاری ہے۔حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ“

”بے شک اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا،کنانہ سے قریش کو منتخب کیا،قریش سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا“ [صحیح مسلم :۲۲۷٦]

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ”عدنان“ تک کا نسب نامہ محدثین اور اصحاب سیر کے ہاں متفق علیہ ہے۔”عدنان“ سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا نسب نامہ مختلف فیہ ہے۔

آنحضرت ﷺ اور عدنان کے مابین بیس واسطے ہیں اور اکیس پر عدنان ہیں،پھر آنحضرت ﷺ اور کنانہ بن خزیمہ کے مابین تیرہ واسطے ہیں،پھر آنحضرت ﷺ اور قریش تک دس واسطے ہیں۔”قریش“ دراصل لقب ہے،اصل نام ”فہر“ ہے۔پھر آنحضرت ﷺ اور ہاشم کے درمیان دو واسطے ہیں:محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ہاشم بھی لقب ہے، اصل نام عمرو بن عبد مناف ہے۔کنانہ،قریش،ہاشم کی تاریخ میں کیا خصوصیات وخدمات تھیں جن کی بنا پر ان کا انتخاب کیا گیا،یہ جاننے کے لئے شائقین سیرت انسائیکلوپیڈیا (طبع دارالسلام،لاہور) کی جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔

مقصد یہ تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے رسول اللہ ﷺ کا نسب سب سے افضل واعلیٰ ہے۔حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

"قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم أرر جلاً افضل من محمد ﷺ و لم أرينا افضل من بيت بنى هاشم"

''میں زمین کے مشرق ومغرب میں پھرا ہوں، میں نے محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں دیکھا اور بنو ہاشم کے گھر سے کسی کا گھر افضل نہیں دیکھا'' [المعجم الاوسط للطبرانی :رقم: ٦٢٨١، دلائل النبوة للبهقی]

اس کی سند میں موسیٰ بن عبد یہ الزبدی ہے، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ۸ر ۲۱۶) مگر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''امالی'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''لوائح الصحة ظاهرة''

''اس کے صحیح ہونے کے اشارے ظاہر ہیں'' [التعظيم و المنة: ص: ٤٩]

گویا صحیح مسلم کی حدیث اس کی موید ہے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کا نسب اور آپ کی قرابت داری بہت بڑا اشرف وفضل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

''كل سبب و نسب منقطع يوم القيامة الا سببى و نسبى''

''میرے واسطے اور میرے نسب کے علاوہ قیامت کے روز سب واسطے اور نسب ختم ہو جائیں گے'' [مستدرك حاكم: ١٤٢/٣، ١٥٨، وغيره، الصحيحة: رقم: ٢٠٣٦]

یہی وہ حدیث ہے جس کی بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے نکاح کا مطالبہ کیا تھا، تا کہ میرا تعلق و واسطہ قیامت کے روز بھی رسول اللہ ﷺ سے قائم رہے۔ (البدایہ: ۸۱/۳) چنانچہ حضرت علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح طلب کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے عبد اللہ کے لیے یہ رشتہ محفوظ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا رشتہ مجھ سے کر دیں، اللہ کی قسم میں اس کی ایسی حفاظت رکھوں گا کہ کوئی دوسرا ایسی حفاظت نہیں رکھ سکے گا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم کا نکاح ان سے کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اسی خوشی میں) مہاجرین کے پاس گئے اور فرمایا: تم مجھے مبارک باد کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے پوچھا: کس چیز کی مبارک دیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام کلثوم بنت علی، یعنی بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے نکاح کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نسب وسبب قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے۔ [مستدرك حاكم: ١٤٢/٣، سنن سعيد بن

منصور:۱۳۰/۳، وغیرہ]

کتب انساب میں بھی اس نکاح کا ذکر ہے۔ملاحظہ ہو:[نسب قریش ، كتاب المحبر، جهرة انساب العرب ، انساب الاشراف وغیرہ] بلکہ شیعوں کی معتبر کتب الکافی ،الاستبصار،تہذیب الاحکام وغیرہ میں بھی اس نکاح کا ذکر ہے۔خطیب الاسلام مولانا محمد صدیق فیصل آبادی رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتاب ''ام کلثوم بنت علی فاروق اعظم کے نکاح میں'' کے نام سے لکھی اور بحث کا حق ادا کر دیا۔

اس ضروری تفصیل کا مقصد بس اتنا ہے کہ ایک تو اس سے آنحضرت ﷺ کے نسبت کی عظمت واضح ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس نسب سے جوڑنے کا داعیہ اور آپ کے قرابت داروں کی عزت افزائی اور قدر دانی کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی قرابت داری کا احساس رکھتے ہوئے جب مال غنیمت اور مال فے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصے مقرر کئے تو اہل بدر کے لیے پانچ ہزار درہم مقرر کیے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پانچ ہزار دیئے گئے اور ان کے ساتھ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بھی پانچ پانچ ہزار دیئے۔حالانکہ وہ تو غزوۂ بدر کے موقع پر پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا،راوی کا بیان ہے:

''لمكانهما من رسول الله ﷺ''

''ان دونوں کے اُس مرتبے کی بنا پر جو انہیں رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے حاصل تھا''

علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے بارہ بارہ ہزار درہم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بارہ ہزار درہم حصہ مقرر ہوا۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے چار ہزار،مگر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار درہم مقرر کیے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابا جان! اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار مجھ سے زیادہ کیوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد تیرے والد سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔[السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳۵۰/٦، كتاب الاموال لابی عبيد :ص:۲۲٤، السير:۱۹۱/۳ وغیرہ]

اندازہ کیجئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کا کتنا احساس تھا۔

اسی نوعیت کی ایک بات یہ بھی دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: میرے باپ کے منبر سے اتریے اور اپنے باپ کے منبر پر جائیے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میرے باپ کا کوئی منبر نہیں۔پھر انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور اپنے پاس بٹھالیا اور جب منبر سے

اترے تو انہیں بھی اپنے ہمراہ گھر لے گئے، پھر پوچھا: یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم، کسی نے نہیں سکھلائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹا کاش تم ہمارے پاس آتے جاتے رہو۔

چنانچہ ایک روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے، مگر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے محو گفتگو تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی دروازے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے اجازت طلب کی، مگر انہیں اجازت نہ ملی تو وہ واپس چلے گئے، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ واپس چلے گئے، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو پوچھا: ''میں نے تمہیں دیکھا نہیں (یعنی کبھی ملے نہیں)''۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میں آیا تھا، آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ دروازے پر تھے، وہ واپس گئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انت احق بالاذن من ابن عمر، وانما أنت ما ترى في رؤوسنا اللّٰه، ثم انتم''

''تم عمر کے بیٹے (عبداللہ) سے زیادہ اجازت کے حق دار ہو (یعنی تمہیں اجازت کی ضرورت نہ تھی) اور بلاشبہ جو ہمارے سروں پر (عزت کا تاج) دیکھ رہے ہو، یہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر تم اہل بیت کی جانب سے ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے بعد یہ سب سرفرازی تمہارے گھرانے کی برکت سے ہے)'' [تاریخ بغداد: ۱۴۱/۱، تاریخ الثقات للعجلی مختصرا، ص: ۱۹۹، ابن عساکر: ۱۷۵/۱۴، السیر: ۲۸۵/۳، تہذیب: ۳۴۷/۲، الاصابۃ: ۱۵/۲]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ امام عجلی رحمہ اللہ نے صحیح سند سے اسے مختصراً ذکر کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات کسی نے نہیں سکھلائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''منبر ابيك واللّٰه، منبر ابيك واللّٰه''

''اللہ کی قسم منبر تمہارے ابا جان کا ہے، اللہ کی قسم منبر تمہارے ابا جان کا ہے''

اس قصے کا نتیجہ کیا ہے، یہی ناں کہ بیٹے کو تو باپ کے گھر میں آنے کی اجازت چاہئے، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ پابندی نہیں۔ وہ جب آئیں بسم اللہ۔ یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے بیٹے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ سارا واقعہ دراصل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی ہے، ہم نے تفہیم کے طور پر اسے ایک قصے کی صورت میں نقل کیا ہے۔

جاری ہے............

(نویں قسط)

کتاب ''چاردن قربانی'' پراعتراضات کے جوابات

زبیر یحییٰ عالیاوی

امام بخاری اور شعبہ عن منہال کی روایت:

حدیث طیر کی امام بخاری کے پاس دو سند ہے:

۱۔ایک ابوبشر والی سند ہے جو نازل ہے۔

۲۔اور دوسری شعبہ والی سند ہے جو عالی ہے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری میں موصولاً نازل سند کو ذکر کیا ہے، اور شعبہ والی عالی سند کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔اس پر شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

شاید یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں منہال کی مسند روایت شعبہ کے طریق سے درج نہیں کی ہے مثلاً (حدیث نمبر:۵۵۱۵) کے تحت امام بخاری نے منہال بن عمرو کی حدیث طیر کو مسنداً ابوبشر کے طریق سے روایت کیا نہ کہ شعبہ کے طریق سے۔اس کے بعد شعبہ کی روایت کو تعلیقاً ذکر کیا ہے یعنی اسے اصل کتاب کا حصہ نہیں بنایا۔

حالانکہ شعبہ یہ ابوبشر سے زیادہ اوثق ہیں نیز شعبہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس عالی سند سے یعنی صرف ایک واسطے سے ہے اور مسلسل بالسماع ہے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی تاریخ (۲۰۶/۱) میں مختصراً روایت کیا ہے۔جبکہ ابوبشر کی سند نازل ہے یعنی دوواسطوں سے ہے۔معلوم ہوا کہ شعبہ کی سند سے منہال بن عمرو کی روایت مخدوش اور امام شعبہ کی نظر میں متروک ومردود ہے۔لہٰذا جب محض شعبہ ہی کی سند سے منہال کی کوئی روایت ملے گی تو بحکم امام شعبہ متروک ومردود قرار پائے گی۔(چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۹۳)

بلال صاحب کو اس کا کوئی جواب سجھائی نہیں دیا تو محض ہوا میں بات کرتے ہوئے اسے غلط بتا کر شیخ محمد بن علی بن آدم اثیوبی کی شرح مسلم ۳۲/۳۰۳ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ اس پورے صفحہ پر شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی بات کے خلاف ایک حرف بھی موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

مسألتان تتعلّقان بهذا الحديث:

(المسألة الأولى): حديث ابن عمر رضى الله عنهما هذا متّفقٌ عليه.

(تـنبيـه): قـال الدارقطنيّ رحمه اللّٰه في التتبّع :وأخرجا جميعًا حديث أبي بشر، عن سعيد بن جُبير، عن ابن عمر: لَعَنَ من اتّخذ شيئًا فيه الروح غَرَضًا ، وهو الصحيح.

(فإن قال قائل): فقد خالفه عديّ بن ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عبّاس.

(قيل له): لم يُتابَع عديّ على قوله، وقد تابع أبا بشر المنهالُ بن عمرو، وسعيد بن عمرو، عن سعيد بن جبير، عن ابن عمر، فالحكم لهم على عديّ، وحديث عديّ وَهَمٌ، واللّٰه أعلم.انتهى كلام الدارقطنيّ.

قـال الـجـامـع عـفـا الـلّٰـه عنه: حاصل ما أشار إليه الدارقطنيّ رحمه اللّٰه أن المحفوظ في هذا الحديث أنه من مسند ابن عمر رضي اللّٰه عنهما ، لا من مسند ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما ، كما تـقـدّم ذلك فـي الـرواية التـي قبـله، وذلك لمخالفة عديّ بن ثابت لأبي بشر في ذلك، ولم يـوجـد لـعـديّ فيـه متـابع، بخلاف أبي بشر، فقد تابعه فيه المنهال بن عمرو، وسعيد بن عمرو، كلاهما عن سعيد بن حبير، عن ابن عمر، فظهر بهذا أن عديًّا وَهِمَ فيه.

ولـم يتـكـلّـم الـحـافظ في الفتح بشيء من هذا، بل ظاهره أنه يرى صحّة الطريقين، كونه من مسـنـد ابـن عمر، كما هو متّفقٌ عليه، وكونه من مسند ابن عبّاس، كما عند مسلم حيث بيّن مَنُ وَصَـل الطريقين، وسكت على ذلك، لكن صنيع البخاريّ رحمه اللّٰه يقوّي ما قاله الدارقطنيّ، حيـث قـال بـعـد ذكر طريق أبي بشر ما نصّه: تابعه سليمان ، عن شعبة، عن المنهال، عن سعيد، عـن ابـن عـمـر......، ثـم قـال:وقـال عـديّ عـن سـعيـد: عن ابن عبّاس، فقد قوّى طريق أبي بشر بـالـمتـابـعة، وأشـار إلـى تـفـرّد عديّ، بلا متابع، فتأمله بالإمعان، واللّٰه تعالى أعلم.[البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج :۳۳/۳۰۳]

اب کوئی خوردبین لگا کر بھی دیکھے گا تو اس پورے صفحہ میں ایک حرف بھی ایسا نظر نہیں ملے گا جو شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی بات کے خلاف ہو۔

دوسری وجہ:

اس کی سند میں المنہال بن عمرو ہے، اور اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسی بات نقل کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ روایت یعنی چار دن قربانی والے قول کے خلاف ہے، چونکہ منہال صدوق ہے اور اس کے حافظ

پر جرح ہے اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ قول کے خلاف اس کی روایت قطعاً مقبول نہیں ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا ثبوت ملاحظہ کریں:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴) فرماتے ہیں:

قال الحکم، عن مقسم، عن ابن عباس: "الأیام المعلومات: یوم النحر وثلاثة أیام بعده"

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "کہ ایام معلومات سے مراد یوم النحر اور اس کے بعد کے تین دن ہیں" [تفسیر ابن کثیر: ۵/۴۱۶ وسندہ صحیح]

اس کی سند صحیح ہے، کیونکہ حکم نے مقسم کی روایات مقسم کی کتاب سے نقل کی ہیں۔

امام شعبہ بن حجاج (م۱۶۰) فرماتے ہیں:

"سمع الحکم من مقسم أربع أحادیث عزم الطلاق والوتر والصید وحدیث القنوت قنوت عمر السورتین، وحدیث الحائض عن عبد الحمیدو الباقی کتاب"

"حکم نے مقسم سے چار احادیث، حدیث عزم طلاق والوتر، والصید، حدیث قنوت، حدیث حائض، سنی ہیں اور باقی کتاب سے روایت ہے" [المعرفة والتاریخ: ۲/۸۴۵، وسندہ صحیح]، نیز دیکھئے: [معرفة علوم الحدیث للحاکم: ص: ۱۶۴]

امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

قلت لأحمد: روایة الحکم، عن مقسم عمن أخذه؟ قال: یقولون: عن کتاب

میں نے امام احمد سے کہا: حکم نے مقسم کی احادیث کس سے نقل کی ہے؟ امام احمد نے کہا: اہل علم کا کہنا ہے کہ کتاب سے۔ [مسائل أحمد روایة أبی داؤد السجستانی: ص: ۴۴۶]

محدثین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ حکم نے یہ روایت مقسم کی کتاب سے ہی نقل کی ہے، اس لئے سنداً یہ صحیح ہے۔

اور حکم کی کتاب سے ہی امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس تفسیر میں یہ عام معمول ہے کہ وہ کسی روایت کو کتاب سے نقل کرتے ہیں تو مؤلف کی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

نیز امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت مقسم کی کتاب سے نقل کیا ہے، اور مقسم تک انہوں نے جو سند ذکر کی ہے وہ نسخہ و کتاب کی سند ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ (م۴۵۶) فرماتے ہیں:

”وقول رابع وهو أن التضحية يوم النحر وثلاثة أيام بعده:روينا من طريق محمد بن المثنى نا عبيد اللّٰه بن موسى نا ابن أبى ليلى عن الحكم بن عتيبة عن مقسم عن ابن عباس قال:الأيام المعلومات:يوم النحر، وثلاثة أيام بعده : هكذا فى كتابى ولا أدرى لعله وهم، واللّٰه أعلم“

”چوتھا قول یہ ہے کہ قربانی یوم النحر اور اس کے بعد تین دن تک ہے،اسے ہم نے ” محمد بن المثنى نا عبيد الله بن موسىٰ نا ابن أبى ليلىٰ عن الحكم بن عتيبة عن مقسم عن ابن عباس“ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایام معلومات یوم النحر اور اس کے بعد تین دن ہیں،میری کتاب میں ایسے ہی ہے اور مجھے نہیں معلوم شاید یہ وہم ہو۔واللہ اعلم“[المحلى لابن حزم :٦/ ٤١]

شیخ سنابلی نے مقسم کی روایت کے لئے المحلی کے جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہاں پر ابن حزم رحمہ اللہ نے یہ صراحت نہیں کی ہے کہ انہوں نے کتاب سے نقل کیا،اس لئے شیخ حفظہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح نہیں کہا تھا۔دیکھئے:(چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۳۰)

لیکن راقم الحروف نے جہاں سے نقل کیا ہے وہاں امام ابن حزم رحمہ اللہ نے صراحت کردی ہے کہ یہ روایت انہوں نے کتاب سے درج کی ہے۔اور کتاب سے مراد مقسم کا تفسیری نسخہ یعنی وہ کتاب ہے جس میں انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفاسیر روایت کی ہے،اس لئے اس سے نیچے کی سند میں ضعف سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ضعف والی سند کتاب کی سند ہے،جو محض زینت کے لئے اور اصل کتاب ثابت ہے۔

مقسم کے تفسیری نسخہ کے بارے میں عطیہ بن نوری آل خلف الفقیہ لکھتے ہیں:

”خلاصة الحكم على هذه النسخة ، من خلال ماتقدم من أثناء سرد الأسانيد إلى كل طريق من الطرق التى مضت يتبن لك أنها صحيحة ، أو حسنة ، أو ما يتجاوز عن مثله فى نسخه التفسير، ويبقى الجزء الآخر من الإسناد حسن إلى ابن عباس لحال أصل النسخة مقسم بن بجرة فهو صدوق فى الرواية كما تقدم“

”اس نسخہ پر حکم کا خلاصہ،گزشتہ سطور میں تمام طرق کی تمام اسانید کو پیش کرنے کے بعد آپ کے لئے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ نسخہ صحیح یا حسن یا دیگر تفسیر نسخوں جیسا ہے،اور اس سند کا آخری حصہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تک حسن ہے،کیونکہ اصل نسخہ مقسم بن بجرہ کا ہے اور یہ روایت میں صدوق ہیں جیسا کہ گزرا“[أسانيد نسخ التفسير :ص:٤٨٦]

اس بات پر بھی غور کریں کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے یہاں جو آثار صحابہ پیش کئے ہیں ان سب کی سندوں پر بحث

کیا ہے اور جس میں بھی ان کو ضعف ملا اسے واضح کر دیا ہے، اس سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے، جبکہ اس میں ابن أبی لیلیٰ موجود ہیں جن کے سبب ماقبل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کو انہوں نے ضعیف قرار دیا، لیکن یہاں اس راوی کے سبب اس سند پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ سند سے ہٹ کر یہ کہا کہ:

"هكذا في كتابي ولا أدري لعله وهم، والله أعلم"

" میری کتاب میں ایسے ہی ہے اور مجھے نہیں معلوم شاید یہ وہم ہو واللہ اعلم"

لیکن ظاہر ہے کہ محض گمان سے وہم ثابت نہیں ہوگا اسی لئے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی بالجزم یہ فیصلہ نہیں کیا بلکہ لاعلمی کا اعتراف کیا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے جب سند میں ہی ضعیف راوی موجود ہے تو ابن حزم کو وہم کا گمان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سند ہی کی تضعیف کر دیتے، لیکن انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کیونکہ یہاں سند ایک اضافی چیز ہے اور اصل کتاب ہی ان کے پاس موجود ہے۔

"كتاب السنة لعبد الله بن أحمد" ایک معروف کتاب ہے، لیکن اس کتاب کی سند کے رواۃ محمد بن الحسن بن سلیمان السمسار اور محمد بن ابراہیم بن خالد الہروی کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا، اس کے باوجود حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کتاب سے حجت پکڑی اور اس کی کئی روایت کو صحیح کہا ہے۔ مثلاً دیکھئے:[فتاوی علمیه: ج: ۱، ص: ۳۱، ترجمه القراء ة خلف الإمام للبخاری: ص: ۱۹۹، مقالات: ج: ۱، ص: ۱۷۰، مقالات: ج: ۲، ص: ۲۸، مقالات: ج: ٤، ص: ۷۸]

زبیر علی زئی صاحب کے کسی بھی اصول سے ان دونوں راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہوتی ہے پھر بھی انہوں نے اس کتاب کو صحیح مانا ہے۔

اسی طرح مقسم کی کتاب بھی صحیح ہے۔

ثابت ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ہی صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ثابت ہے۔ دیکھئے: (چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۱۲۸ تا ۱۲۹)

امام ابن ابی حاتم کی نظر میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ثابت ہے، دیکھئے: (چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۱۲۹ تا ۱۳۰)

لہٰذا جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ثابت ہے تو منہال بن عمرو جو صدوق ہے اس کا ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے تین دن قربانی کا قول نقل کرنا غلط ہے۔

نیز منہال بن عمرو صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ متکلم فیہ بھی ہے کیونکہ اس کے حفظ پر جرح ہوئی ہے۔

اب اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے، لیکن بلال صاحب نے منہال سے متعلق بہت غلط طریقے سے جو کچھ پیش کیا ہے، اس کا جائزہ ملاحظہ ہو۔

شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا کہ منہال کو ضعفاء کے مؤلفین نے اپنی ضعفاء والی کتب میں ذکر کیا ہے۔

اس پر بلال صاحب شیخ سنابلی کی دوسری جگہ سے یہ وضاحت نقل کرتے ہیں کہ محض ضعفاء والی کتب میں ذکر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعفاء کے مؤلفین کی نظر میں وہ راوی ضعیف ہے۔ (چار دن قربانی ؟ص:۳٦)

اس کے بعد بلال صاحب لکھتے ہیں:

محترم سنابلی صاحب منہال بن عمرو کے بارے میں یہ لکھ کر کہ ضعفاء کے مؤلفین نے انہیں ضعفاء میں ذکر کیا ہے، کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟ (چار دن قربانی ؟ص:۳٦)

یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بعض ائمہ نے اس پر کلام کیا ہے۔ امید ہے کہ سمجھ گئے ہوں گے۔

شیخ سنابلی نے یہ نہیں کہا ہے کہ منہال کو ضعفاء کے مؤلفین نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، اس لئے محض اس ذکر کی وجہ سے وہ خود ضعفاء کے مؤلفین کی نظر میں بھی ضعیف ہے۔ بلکہ شیخ سنابلی نے یہ بتانا چاہا ہے کہ اس پر بعض ائمہ کا کلام ہے اسی لئے ضعفاء کے مؤلفین نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ دونوں باتوں کا فرق سمجھیں اور خلط ملط نہ کریں۔

بلال صاحب ابن حزم کے کلام متکلم فیہ کے بارے میں یہ بتانا چاہا ہے کہ یہ غیر مفسر ہے۔ (چار دن قربانی ؟ص:۳۷)

حالانکہ دوسری جگہ ابن حزم رحمہ اللہ نے تفسیر کردی ہے مثلاً ایک جگہ کہا ہے کہ ”لیس بالقوی “ یہ القوی نہیں ہے اور اس سے مراد حافظہ پر جرح ہوتی ہے، لیکن اس درجہ کی جرح نہیں ہوتی ہے کہ راوی ضعیف ہو، بلکہ ثقاہت میں درجہ کاملہ کی نفی ہوتی ہے۔

بلال صاحب نے شیخ سنابلی کا ایک اقتباس نقل کیا جس میں ہے کہ ” لیس بالقوی“ کو غیر قادح جرح بتاتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اس سے حافظ پر معمولی جرح مراد ہوتی ہے۔

پھر اس اقتباس کو نہ جانے کس عقل و منطق سے یہاں تضاد بتانے کے لئے پیش کیا ہے، حالانکہ یہاں بھی شیخ سنابلی نے منہال کے بارے میں ”لیس بالقوی“ سے متعلق بھی وہی بات کہی ہے، یعنی اسے قادح مطلب ضعیف ثابت کرنے والی جرح مراد نہیں بلکہ حافظہ کی معمولی جرح مراد لی ہے۔ یہ دونوں تو ایک ہی باتیں ہیں ان میں تضاد کہاں ہے؟

بلال صاحب آگے لکھتے ہیں کہ:

ایک راوی کے بارے میں امام ابن عدی نے "**ليس بالقوی فی الحديث**" کہا اس کے باوجود سنابلی صاحب لکھتے ہیں: معلوم ہوا اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں والحمدللہ (یزید بن معاویہ: ص:۶۳۴، ۶۳۵) (چاردن قربانی؟ ص:۳۷)

صرف اتنی بات پڑھ کر سادہ لوح قاری کو یہ لگے گا کہ اس راوی کے بارے میں صرف ابن عدی کا قول "**ليس بالقوی فی الحديث**" ہے اس کے باوجود بھی اسے ثقہ کہہ دیا گیا۔

حالانکہ اسے ثقہ اس لے کہا گیا ہے کیونکہ دیگر محدثین نے اس کی زبردست توثیق کر رکھی ہے اور بعض نے تو تاکید کے ساتھ توثیق کی ہے۔ابن معین نے "**ثقة ثقة ثقة**"، تین بار دہرا کر پوری تاکید سے ثقہ کہا ہے۔

امام ابن الجوزی، یاقوت الحموی، امام صفدی نے بھی ثقہ کہا ہے۔

اور یوسف تغری نے "**كان اماما عالما حافظ ثقة**" کہا ہے۔

ان تمام اقوال کو شیخ سنابلی نے نقل کرنے کے بعد آخر میں ابن عدی کا قول پیش کر کے اس کے مفہوم کی وضاحت کی ہے پھر اسے ثقہ لکھا ہے، دیکھئے: (یزید بن معاویہ: ص:۶۳۳ تا ۶۳۵)

بلال صاحب نے آگے ابن حزم کی جرح کی بنیادوں پر بات کی ہے ایک جگہ نقل کرتے ہیں:

ابن حزم نے کہا: "**ليس بالقوی، تركه شعبة**" (چاردن قربانی؟:۳۸)

سب سے پہلی بات تو یہ کہ امام ابن حزم کے پورے الفاظ یہ ہیں:

"**ليس بالقوی تركه شعبة وغيره**"

"منہال بن عمرو القوی نہیں ہے اسے شعبہ وغیرہ نے ترک کر دیا ہے" [الفصل فی الملل والأهواء والنحل: ٤/٥٧]

یہاں بلال صاحب نے آخر سے وغیرہ کا لفظ اڑا دیا۔

دوسری بات یہ کہ بلال صاحب نے یہ بتانا چاہا ہے کہ امام شعبہ کے ترک کو بنیاد بنا کر ابن الحزم نے اسے "**ليس بالقوی**" کہا ہے۔

یہ بالکل غلط ہے کیونکہ "**ليس بالقوی**" خود امام ابن حزم کا اپنا کلام ہے جو کہ ناقد اور جرح وتعدیل میں مجتہد امام ہیں، اور اس کے بعد "**ترك شعبة**" کے حوالے میں انہوں نے امام شعبہ کا بھی موقف ساتھ ساتھ بتانا چاہا ہے اور امام شعبہ کے علاوہ سے بھی ترک کی بات نقل کی ہے، اگر ابن حزم امام شعبہ وغیرہ کے ترک کو بنیاد بنا کر یہاں جرح کرتے تو اسے متروک قرار دیتے نہ کہ "**ليس بالقوی**" کہتے، کیونکہ بقول امام ابن حزم جب امام شعبہ اور ان کے

ساتھ دیگر ائمہ نے بھی اسے ترک کر دیا تو اس پر اعتماد کا نتیجہ اس کو متروک بتلانا ہوگا نہ کہ " **لیس بالقوی** "۔

ثابت ہوا کہ یہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا اپنا نقد ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ ابن حزم نے شعبہ وغیرہ کے ترک کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اپنا نقد ہی پیش کرنے پر اکتفاء کیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہا:

"**المنهال بن عمرو، وليس بالقوى**"[المحلى لابن حزم: ٤٢/١]

اور امام شعبہ کے کلام پر بات ہو چکی ہے۔

آگے بلال صاحب نے امام ابن حزم کی طرف سے مغیرہ بن مقسم کی جرح نقل کرنے کا حوالہ دیا، اس کا بھی یہی معاملہ ہے کیونکہ یہ جرح تو منہال کو ساقط العدالت قرار دیتی ہے، جبکہ ابن حزم نے منہال پر ایسی جرح کی ہی نہیں ہے۔

ابن الجوزی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ بعض اہل علم نے اس پر کلام کیا ہے یعنی یہ متکلم فیہ ہے۔

نیز ابن الجوزی رحمہ اللہ نے دوسری کتاب میں " **المنهال بن عمرو عن سعيد بن جبير عن ابن عباس** " ہی کے طریق سے مروی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے اس پر ابن معین اور اور ابن حبان کا کلام پیش کیا ہے۔

اس پر بلال صاحب فرماتے ہیں کہ ابن معین اور ابن حبان کا یہ کلام ثابت نہیں ہے۔

لیکن بلال صاحب کو کون سمجھائے کہ یہ آپ کے نزدیک ثابت نہیں ہے، لیکن ابن الجوزی نے تو اس سے حجت پکڑی ہے اور اس کی بنا پر منہال کی روایت کی تضعیف کی، جس سے پتہ چلا کہ ابن الجوزی کی نظر میں منہال ضعیف ہے۔

آپ کے نزدیک ثابت نہ ہونے سے امام ابن الجوزی کا موقف تبدیل نہیں ہو جائے گا، آپ ابن الجوزی کی تضعیف سے سو بار اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ان کی طرف تضعیف کی نسبت سے انکار ناممکن ہے۔

بلال صاحب نے آگے کہا ہے کہ خود ابن الجوزی نے ضعفاء میں ابن معین سے توثیق نقل کی ہے۔

ٹھیک ہے لیکن ابن الجوزی نے علل میں توثیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ تضعیف پر اعتماد کر کے خود بھی تضعیف کی ہے۔ اس لئے ابن الجوزی کی تضعیف کا انکار کسی بھی طرح نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رہے کہ ابن معین سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ منہال کے درجہ کو گھٹاتے تھے، امام مزی نے ابن معین کے شاگرد المفضل الغلابی سے نقل کیا:

"**وكان يحيى بن معين يضع من شأن منهال بن عمرو**"[تهذيب الكمال للمزی:٥٧١/٢٨]

ظاہر ہے یہ نقل سوالات المفضل الغلابی سے ہے۔

آگے بلال صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا" **ربما وهم**" والا کلام بھی بلا دلیل ہے۔ (چار دن قربانی...... ص:۴۰)

پھر اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہدی الساری میں یہ کہا ہے کہ ان پر بلا حجت کلام کیا گیا ہے۔

لیکن ھدی الساری ہی سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول بلا حجت کی تشریح بھی ہو جاتی ہے، ایک جگہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"القسم الثاني فيمن ضعف بأمر مردود كالتحامل أو التعنت أو عدم الاعتماد على المضعف لكونه من غير أهل النقد ولكونه قليل الخبرة بحديث من تكلم فيه أو بحاله أو لتأخر عصره ونحو ذلك ويلتحق به من تكلم فيه بأمر لا يقدح في جميع حديثه كمن ضعف في بعض شيوخه دون بعض وكذا من اختلط أو تغير حفظه أو كان ضابطا لكتابه دون الضبط لحفظه فإن جميع هؤلاء لا يجمل إطلاق الضعف عليهم بل الصواب في أمرهم التفصيل"

"دوسری قسم ان کی ہے جن کو ضعیف کہنے کی بنیاد مردود ہوتی ہے جیسے متحامل یا متشدد یا غیر ناقد نے جرح کی ہو، یا لاعلم نے جرح کی جس کو راوی کی حدیث، اس کی حالت وغیرہ کی خبر نہ ہو یا وہ بعد کے زمانہ کا ہو وغیرہ، اسی میں وہ تضعیف بھی شامل ہے جس سے راوی کی تمام احادیث پر قدح لازم نہیں آتی مثلاً جسے اس کے صرف بعض شیوخ میں ضعیف کہا گیا ہو، یا جس پر اختلاط یا تغیر حفظ کی جرح ہو، یا جو اپنی کتاب میں ضابط ہے گرچہ حفظ میں اس کا ضبط کمزور ہو، ایسے تمام رواۃ پر مطلق ضعیف کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کے معاملے میں تفصیل ہے" [هدى الساری لابن حجر: ص: ٤٦٠]

یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مردود جرح یعنی بلا حجت کلام میں متشدد وغیرہ کی جرح کے ساتھ ساتھ ایسی جروح کو بھی شمار کیا ہے جو اختلاط وغیرہ سے متعلق ہوں، اور آخر میں کہا کہ اس سے مطلق تضعیف نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں تفصیل کی جائے گی۔

اس سے ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام بلا حجت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد ایسا کلام ہے جو راوی کی مطلق تضعیف میں حجت نہیں ہے، لیکن اس کے درجہ ثقات کو طے کرنے میں ایسا کلام حجت ہے، اسی لئے ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں منہال کا جب درجہ متعین کیا تو ان پر کئے گئے کلام کو بنیاد بنا کر انہیں ثقہ کے درجے سے گرا کر صدوق کے درجہ پر رکھا اور ان پر "**ربما وهم**" کی جرح کی۔

بلال صاحب نے سکوت حافظ ابن حجر سے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ سکوت حدیث کے صحیح ہونی کی دلیل نہیں ہے۔

لیکن پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب جحیہ بن عدی سے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ سے ثابت کیا گیا کہ انہوں نے ضعیف شمار کیا ہے، تو بلال صاحب نے سکوت ابن حجر رحمہ اللہ کی آڑ لی، جسے خود حجت نہیں مانتے۔ اگر واقعی بلال صاحب کی نظر میں سکوت ابن حجر کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو اپنی دلیل کے غلط ہونے کو سکوت ابن حجر کا حوالہ دے کر نہیں بچا سکتے۔

اس طرح کا جواب الزاماً تب دیا جاتا ہے، جب جواب دینے والا بھی اس سے متفق ہو، لیکن اگر متفق نہ ہو تو الزامی جواب صرف الزام کے لئے ہوتا، اپنے دلیل کے اثبات کے لئے نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ کہ شیخ سنابلی نے کہیں پر بھی نہیں کہا ہے کہ جس حدیث پر ابن حجر سکوت کریں وہ حدیث سب کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، بلکہ تصحیح کی بات صرف ابن حجر رحمہ اللہ تک کہی ہے، اس لئے دلائل کی روشنی میں دوسرے اہل علم اختلاف کر سکتے ہیں۔

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے جہاں ابن حجر کے سکوت سے استدلال کی تردید کی ہے وہاں دلائل سے اس سند کا ضعیف ہونا ثابت کیا ہے۔ لیکن بلال صاحب نے ابن حجر رحمہ اللہ کے سکوت والی سند کی تضعیف پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ سند موجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے بلال صاحب ابن حجر رحمہ اللہ پر اعتماد نہ کریں تو یہ ان کی مرضی ہے کہ لیکن وہ بغیر دلیل کے ابن حجر رحمہ اللہ کی تغلیط نہیں کر سکتے۔

ابن حزم نے ابن ابی شیبہ کے طریق سے جو سند ذکر کی ہے ضروری نہیں ہے کہ وہی سند ابن حجر رحمہ اللہ کے پیش نظر رہی ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے کئی جگہ ایک ہی اثر کو متعدد سندوں سے نقل کیا ہے۔

جہاں تک بیہقی کی طلحہ بن عمرو والی روایت ہے تو خود حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس کی ایک روایت کو" **اسناده ضعيف** " کہا ہے۔ دیکھے:[انوار الصحيفه ضعيف سنن ابن ماجه: حديث نمبر:۲۷۰۹، ص:٤٧٧]

ایک دوسری جگہ اس کی روایت کو شواہد کی روشنی میں صحیح کہا ہے۔ دیکھئے:[سنن بن ماجه :مطبوعه دار السلام ،حديث نمبر:١٨٦٣]

اور اسے انوار الصحیفہ میں نقل نہیں کیا ہے۔

طلحہ بن عمرو کی روایت چونکہ صحیح ثابت ہو چکی ہے اس لئے اسے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ شواہد کی روشنی میں اسے صحیح کہنا بھی درست ہے جیسا کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس کی روایت کو شواہد کی روشنی میں صحیح کہا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ:

”فی ارواء الغلیل رایت فی بعض المواضع ذکرتم حدیثا فیه رجل متروک او کذاب ، قلتم قد علمنا صحة حدیثه ، وذکرتموہ شاهدا ، فهل المتروک والکذاب ممکن اذا تاکدنا من صحة حدیثه بروایته فی اماکن اخری نخرج حدیثه ویقال وان کان کذابا الا ان حدیثه صحیح ؟“

”ارواء الغلیل میں بعض مقامات پر میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ایک حدیث ذکر کیا ہے جس میں متروک یا کذاب راوی ہے، پھر آپ نے کہا کہ ہم کو اس حدیث کی صحت معلوم ہوگئی ،اور آپ نے اسے شاہد کے طور پر ذکر کیا، تو کیا متروک اور کذاب کے بارے میں ممکن ہے کہ جب ہمیں اس کی حدیث کی صحت کا یقین ہوجائے دوسری جگہ اس حدیث کے مروی ہونے کے سبب تو ہم اس کی حدیث ذکر کریں ، اور یہ کہا جائے کہ یہ گرچہ کذاب ہے لیکن اس کی حدیث صحیح ہے؟“

تو علامہ البانی رحمہ اللہ نے جواب دیا:

”وما المانع ؟ اذا کان الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم یقول فی الحدیث الصحیح: صدقک وهو کذوب فهو مهما کان شانه خیر من ذاک الشیطان الکذوب“

”اس سے کیا چیز مانع ہے؟ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحیح حدیث میں (شیطان کے بارے میں کہا) اس نے سچ بولا ہے لیکن یہ جھوٹا ہے، تو ایسا راوی کیسی بھی حالت والا ہو اس جھوٹے شیطان سے تو بہتر ہی ہے“ [الدرر فی مسائل المصطلح والأثر:ص:۲۳،۲۴]

بلال صاحب نے بعض اہل علم سے یہ نقل کیا ہے کہ ضعیف حدیث لے کر صحیح حدیث کو معلول نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

لیکن یہاں ضعیف روایت نہیں بلکہ صحیح روایت کی بنیاد پر منہال کی روایت کی تضعیف کی گئی ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ثابت ہے۔

بلال صاحب نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ شیخ سنابلی نے اصول حدیث کی رو سے تمام صحابہ سے چار دن قربانی کے قول کے ثبوت کا انکار کیا ہے، جبکہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ کی بات بعض صحابہ سے متعلق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے چار دن قربانی کا قول ان کی نظر میں ثابت ہے انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے:

اتنی ساری سندوں سے اس بات کا منقول ہونا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بذریعہ سکوت ابن ابی شیبہ والی روایت کی تصحیح کرنا ظاہر کرتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی بات ثابت ہے۔ (چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص:۲۰۱)

جاری ہے............

رشوت اور اس کی مروجہ شکلیں

عبدالکریم رواب علی سنابلی

مذہب اسلام نے انسانیت کی بقا اور حصول رزق کی خاطر ایسے ضوابط متعین کیے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر ہر طبقہ خوشحال اور معاشرہ پرامن زندگی گزار سکتا ہے۔ لیکن جب انسان قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے، سرد مہری کا شکار ہو کر حلال وحرام کے قیود کی زنجیروں کو توڑ کر، قناعت پسندی کے اصولوں کو تار تار کر کے حرام خوری اور رشوت خوری میں ڈوب جاتا ہے تو پھر معاشرہ ظلم وبربریت، سفاکیت اور پامالی حقوق کے ایسے دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے جہاں سے واپس نکلنا محال ہو جاتا ہے اور ہر فرد کی ہنستی زندگی بے رونق ہو جاتی ہے چونکہ ایسی صورت میں اہل حق کو اس کا حق نہیں ملتا ہے اور عدلیہ ومحاکم رشوت کے جال میں پھنس کر ظالموں کی مدد کر کے مظلوموں پر مزید ظلم کے راستے ہموار کر دیتے ہیں۔ ایک مظلوم کی صدا دب جاتی ہے اور تمام شعبۂ جات میں اسے ٹھوکریں کھانی پڑتی ہے۔

رشوت لغوی اعتبار سے: ہر وہ چیز جو کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دیا جائے، اس کی جمع **رُشا** ہے۔[الفائق فی غریب الحدیث:۲/۶۰]

ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رشوت کی اصل یہ رِشا ہے جس کا مطلب ڈول ہے جس کے ذریعہ کنویں کے پانی تک پہنچا جاتا ہے۔[النہایة فی غریب الحدیث ولأثر:۲/۲۲۶]

رشوت شرعی اعتبار سے: ''**ما یعطی لابطال حق أو لاحقاق باطل**'' ''حق کو باطل یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے جو دیا جائے اسے رشوت کہتے ہیں''[المطلع :۲۱۸] گویا انسان اگر اپنے حق کے حصول کے لیے مال خرچ کرتا ہے تو اس کا اطلاق رشوت پر نہیں ہوگا۔

رشوت کا حکم: رشوت کا شمار گناہ کبیرہ میں ہوگا، یہ حرام عمل ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ**﴾ ''باطل کر مزے لے کر سننے والے اور رشوت خور اگر آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کریں یا نہ کریں''[المائدہ:۴۲]

حسن اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ''سحت'' سے مراد رشوت ہے۔ دوسری آیت ہے: ﴿ **وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** ﴾ ''ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ ہی حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا کچھ مال ظلم سے اپنایا کرو حالانکہ تم

جانتے (کہ یہ غلط ہے)'' [البقرة:۱۸۸]

گویا اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کی جائیداد پر قبضہ کرنے کی خاطر جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہوں کو حاضر کر کے ناجائز طریقے سے حکام کو چکر دے کر اپنے دعوؤں کو ثابت نہ کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ'' ''رشوت لینے اور دینے والے پر آپ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے'' [سنن ابی داؤد: ۳۵۸۰، صحیح]

دور حاضر میں معاشرہ کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو بہت سی شکلیں موجود ہیں جن پر بلاشبہ رشوت کا اطلاق لازم آتا ہے۔ چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زکوٰۃ وصولی اور رشوت: مدارس و مکاتب کے ذمہ داران کسی صاحب کو زکوٰۃ وصولی کے لئے کچھ اجرت متعین کر کے لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں، یہ صاحب شہر پہنچ کر خوب دلجمعی کے ساتھ زکوٰۃ و خیرات کی وصولی کرتے ہیں اور وداعی طور پر خوب ہدایا و تحائف بھی سمیٹ لیتے ہیں۔ بالآخر فنڈ کے لئے جمع شدہ رقم ذمہ داران کو دیکر باقی تحائف کے مبالغ کو اپنے لئے خاص کر لیتے ہیں جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ اس طرح کے ہدایا کا قبول کرنا اور استعمال کرنا حرام ہے۔ چونکہ اگر یہ شخص اپنے گھر پر ہوتا ہے تو یہ تحفے اسے نہیں ملتے اور انتظامیہ کی طرف سے چندہ وصولی کے لئے اس کی اجرت دے دی جاتی ہے۔

ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو اپنے والدین کے گھر تحفے وصول کرنے کے لئے کیوں نہیں بیٹھتا۔ [صحيح البخاری : ۲۵۹۷]

(۲) اسکول میں داخلہ کے لئے سفارش اور رشوت: معاشرہ میں عام ہے کہ کسی مدرسہ یا اسکول میں اپنے کسی قریبی کا داخل کرانے کے لئے مدرسہ کے ذمہ دار سے سفارش کرتے ہیں اور ساتھ میں کچھ ہدیہ یا نذرانہ ذمہ دار کے لئے، اس قسم کا تحفہ قبول کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس سے رشوت کا دروازہ کھلتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: [سنن ابی داؤد: ۳۵٤۱، حسن]

(۳) اسپتال اور دواخانہ میں رشوت: چونکہ ہندوستان بہترین علاج و معالجہ اور اچھے اسپتالوں کا مرکز ہے جہاں روزانہ بکثرت عربی مریض بہتر علاج کے لئے آتے ہیں۔ چونکہ زبان اور جگہ اجنبی ہوتی ہے لہٰذا کسی ہمدرد پہ یقین کر کے ہندوستان کے مشہور شہروں تک پہنچتے ہیں، ابھی ایئر پورٹ پر اترتے نہیں ہیں کہ ان کی آمد و رفت کے لئے ٹیکسی، رہائش کے لئے ہوٹل، علاج کے لئے ہاسپٹل اور دواؤں کے لئے دواخانہ اور ضروری فحوصات اور چیک اپ کے لئے مختلف

لیب کی بکنگ ہوچکی ہوتی ہے، ٹیکسی ڈرائیور سے لے کر اسپتال کے مالک، ڈاکٹر، دواخانہ اور ہوٹل کے مالکان سے کمیشن کی بات طے ہوجاتی ہے۔ مریض کی مالی حالت کی پرواہ کئے بغیر اپنے حق کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ بسا اوقات جہاں ایک رپورٹ سے مرض کی تشخیص کی جاسکتی تھی وہاں آپسی تال میل کی بنیاد پر کئی ایسے رپورٹ نکالے جاتے ہیں جس کی قطعاً ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے اور جہاں مریض کم پیسوں میں علاج کراسکتا تھا ایسے غیر متوقع اخراجات میں ڈھکیل کر کمیشن سے اپنی جیب گرم کر لیتے ہیں۔ جسے عام زبان میں رشوت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

(۴) پردھانی انتخابات اور رشوت: موجودہ دور کے پردھانی الیکشن کے پیش نظر یہ تجزیہ کرنا بالکل درست ہوگا کہ الیکشن میں جیت حاصل کرنے کے لئے ہر ایک امیدوار بے دریغ پیسے لٹاتا ہے یہاں تک کہ ہر فرد کے پیچھے ایک رقم متعین کی جاتی ہے۔ ابھی الیکشن کا دن متعین بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہر امیدوار کی الگ الگ پارٹیاں شروع ہوجاتی ہیں اور وقت قریب آتے آتے تمام ووٹران کو رشوت کے جال میں ایسا پھنسا لیا جاتا ہے کہ انتخابات کے دن ووٹر کسی بھی امیدوار کی اہلیت کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے اپنا ووٹ ایک ایسے امیدوار کو دے دیتا ہے جو بالکل سرے سے اس منصب کا اہل ہی نہیں ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں ایک حقدار نمائندہ کی حق تلفی ہوتی ہے، ایمانداری کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، اور اس صورت میں پیسہ کھلانے والا اور کھانے والا دونوں رشوت کے اس جال میں پھنس جاتے ہیں اور اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَعَنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيُ وَالْمُرْتَشِيُ" "رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو" [سنن ابن ماجة:۲۳۱۳، صحیح]

(۵) ایک عہدہ دار اور رشوت: ایک ذمہ دار جو مقرر شدہ تنخواہ پر کسی مکتب، کمپنی یا دفتر میں زیر ملازمت ہو اگر یہ افسر اپنے مالک کے علم کے بغیر اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ وصول کرتا ہے تو یہ بددیانتی اور خیانت ہے جس کی مختلف شکلیں معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص کسی ویزہ آفس میں کام کرتا ہے، قانوناً اسے یہ حق حاصل ہے کہ ہر ایک شخص کا روزانہ ایک متعین مقدار میں ویزا اسٹامپ کرے لیکن رشوت خوری کر کے کسی کے ویزے کی مقدار بڑھا دیتا ہے تو ایسی صورت میں طرفین گنہگار رہوں گے، کیونکہ یہاں ایک عام آدمی کی حق تلفی ہوتی ہے۔

۲۔ ایک محاسب (خزانچی) جو کسی آفس یا کمپنی میں کام کرتا ہے گراہکوں یا Clients سے تحفے وہدایا لے کر اس کے کاغذات یا Cheques کو ترجیح دے کر Clean کرا دیتا ہے، ایسی صورت میں دوسرے گراہکوں پر ظلم کر کے کمپنی کے ساتھ خیانت کر کے رشوت جیسے گھناؤنے جرم کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور اس کا یہ عمل ناجائز ہوگا۔

تحفہ کب رشوت کے دائرہ میں؟ یہ چیز بدیہی ہے کہ تحفہ الفت ومحبت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے جس سے آپسی چپقلش اورنفرت ختم ہوتی ہے، آپ ﷺ نے ہدیہ لینے دینے پر ابھارا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "**تھادوا تحابوا**" "آپس میں تحفہ کا لین دین کرو اس سے آپسی محبت بڑھتی ہے" [مؤطا مالك: ۲٦٤١، حسن]

تحفہ کے تبادلہ کے پس منظر میں ایک بات بالکل واضح ہونی چاہئے کہ تحفہ اور رشوت میں بہت ہی باریک اور گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تحفہ کا اطلاق اس وقت تک ہوگا جب تک اس سے کوئی ذاتی مصلحت یا غرض پنہاں نہ ہو اگر یہی تحفہ کسی مصلحت سے مشروط ہوگیا تو یہ رشوت کے دائرے میں داخل ہوجائے گا۔ عبدالغنی النابلی فرماتے ہیں: "**الرشوة هي ما يعطيه بشرط ان يعنيه والهدية لا شرط معها**" "ہدیہ میں کوئی شرط نہیں ہوتی ہے جبکہ رشوت میں مدد کی شرط ہوتی ہے" [تحقيق القضية في الفرق بين الرشوة والهدية]

گویا رشوت کے ذریعہ کسی حق کو باطل ثابت کرنے یا باطل کو حق ثابت کرنے کی شرط ہوتی ہے۔ اگر یہی شرط یا مقصد تحفہ کے ساتھ شامل ہو تو بلاشبہ وہ تحفہ رشوت میں بدل جائے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "**مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا، فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ**" "اگر ہم نے کسی کو کسی عہدے پر فائز کیا اور اس کی اجرت بھی دی، اگر وہ شخص اس تنخواہ یا اجرت کے علاوہ جو بھی حاصل کرتا ہے وہ خیانت ہے" [سنن ابی داؤد: ۲۹٤۳، صحیح]

قارئین کرام! تحفہ کو قبول کرنا یا تحفہ دینا ایک بہت ہی حساس اور باریک مسئلہ ہے ان اقوال واحادیث کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے زیر کفالت ہو اور اسے ایک متعین تنخواہ ملتی ہو۔ اس تنخواہ کے علاوہ اگر اسے اس کی ذمہ داری کے مدنظر کسی بھی جانب سے کوئی رقم یا سامان بطور ہدیہ ملتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس ہدیہ کا تعلق اس ذمہ داری سے ہے جو اسے سونپی گئی ہے۔ اس کے جواز اور عدم جواز کا معیار آپ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ آدمی غور کرے کہ آیا یہ ہدیہ اسے اس کے اس منصب کی سبکدوشی کی صورت میں بھی مل سکتا ہے یا یہ صرف اس کی ڈیوٹی سے مربوط ہے؟ اگر یہ ہدیہ اس کے منصب سے ہٹنے کی صورت میں منقطع ہوگا تو اس ہدیہ کا شمار خیانت اور رشوت میں ہوگا۔

قارئین کرام! معاشرہ میں مروجہ شکلوں کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہیں ہم بھی تو اس عمل میں ملوث نہیں ہیں (خواہ اس کی جو بھی شکل ہو) نفس کا محاسبہ کریں، توبہ واستغفار کریں، لالچ کو الوداع کہہ کر قناعت پسندی کو لازم پکڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق حلال کمانے، حرام خوری ولالچ سے بچتے ہوئے قناعت پسندی کے ساتھ پرسکون زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔ آمین

سندِ عالی

فاروق عبداللہ نراین پوری

سند عالی کہتے ہیں کہ جس سند میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان واسطے کم سے کم ہوں بہ نسبت اس سند کے جس میں اسی حدیث میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان واسطے زیادہ ہوں۔

کسی سند کا عالی اور نازل ہونا ایک نسبی چیز ہے۔مثلاً ثلاثی سند رباعی سند کی بہ نسبت عالی ہے،لیکن ثنائی سند کی بہ نسبت نازل ہے۔

سندِ عالی کا حصول محدثین کی سنت رہی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"**طلب الإسناد العالی سنة عمن سلف**"

"**سند عالی کا حصول سلف کی سنت ہے**"[الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی: ۱۲۳/۱]

بلکہ یہ ان کے نزدیک ہمیشہ سعادت ومنقبت کا باعث اور مرغوب امر رہا ہے۔

مشہور تابعی ابوالعالیہ الریاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**كنا نسمع الرواية بالبصرة عن أصحاب رسول الله ﷺ فلم نرض حتى ركبنا إلى المدينة فسمعناها من أفواههم**"

"ہم بصرہ میں صحابہ کرام سے مروی کوئی روایت سنتے لیکن اس پر بس نہیں کرتے، بلکہ سفر کر کے مدینہ آتے اور ڈائرکٹ ان کے منہ سے سنتے"[سنن دارمی: ۴٦٤/۱، ح:۵۸۳]

غور فرمائیں کہ اس زمانے میں بصرہ سے مدینہ کا سفر کتنا مشکل ترین مرحلہ تھا،لیکن صرف سند عالی کے حصول کے لیے وہ اسے برداشت کرنے پر راضی تھے۔

اگر کسی کے پاس سند عالی ہوتی تو ان کی شان ہی نرالی ہوتی۔اس تعلق سے امام طبرانی رحمہ اللہ کا ایک دلچسپ قصہ ملاحظہ فرمائیں:

ابن العمید رحمہ اللہ رکن الدولہ کے زمانے میں وزارت کے عہدے پر فائز تھے۔ان کا کہنا ہے: میں یہ سمجھتا تھا کہ ریاست ووزارت سے محبوب دنیا میں کوئی چیز نہیں، یہاں تک کہ جب میں نے ایک دن امام طبرانی اور ابوبکر الجعابی کا

مذاکرہ اور مناظرہ دیکھ لیا تو یہ خیال کافور ہو گیا۔ ہوا یوں کہ دونوں کے درمیان بحث جاری تھی، کوئی کسی کو مغلوب نہیں کر پا رہا تھا، یہاں تک کہ ابوبکر الجعابی نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو ابھی دنیا میں کسی کے پاس نہیں۔ (یعنی کوئی اسے روایت کرنا چاہے تو اسے میرے ہی واسطے سے روایت کرنا پڑے گا)۔

امام طبرانی نے کہا: لائیں ایسی کون سی حدیث ہے آپ کے پاس۔

تب ابوبکر الجعابی نے اپنی سند اس طرح بیان کی:

حَدثنَا أَبُو خَلِيفَة، حَدثَنَا سُلَيْمَان بن أَيُّوب ... پھر آگے کی سند بیان کرنے کے بعد حدیث بیان کی۔

اس پر امام طبرانی نے فرمایا: میں ہی سلیمان بن ایوب ہوں۔ آپ میرے شاگرد ابوخلیفہ کے واسطے سے مجھ تک نہ پہنچ کر مجھ سے ہی اسے ڈائرکٹ سن لیں، آپ کی سند عالی ہو جائے گی۔

اس پر ابوبکر الجعابی شرم سے پانی پانی ہو گئے۔

ابن العمید فرماتے ہیں: اس وقت میری دلی کیفیت یہ تھی کہ کاش ریاست ووزارت کا مالک نہ ہو کر میں طبرانی کی جگہ پر ہوتا، اور حدیث - وسند عالی - کی وجہ سے طبرانی کو جو خوشی ومسرت حاصل ہوئی وہ مجھے حاصل ہوئی ہوتی۔ دیکھیں: [جزء فيه ذكر ابی القاسم الطبرانی للامام ابن منده: ص: ٣٤٤]

اس قصہ سے بخوبی سند عالی رکھنے والے کی رفعت شان اور علو مرتبت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

بلکہ بسا اوقات بعض ائمہ سند عالی کے لیے ثقہ راوی کو چھوڑ کر کسی ضعیف راوی سے روایت کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ''کتب المستخرجات'' میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ میں نے اپنی کتاب ''کتب حدیث میں ضعیف احادیث کیوں؟'' میں اسے مع مثال بیان کیا ہے۔ دیکھیں: [ص: ٦٠-٦٥]

بلکہ امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بعض جگہوں پر ایسا کیا ہے۔ انہوں نے بعض ضعیف راویوں اور دوسرے طبقہ کے چند متوسط راویوں سے ایسی روایات ذکر کی ہیں جو ان کی صحیح کی شرط پر پورے نہیں اترتے، بعض لوگوں نے اس تعلق سے ان پر اعتراض بھی کیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں ان اعتراضات کے متعدد جوابات دئے ہیں، جن میں سے ایک جواب یہ ہے:

''أن يعلو بالشخص الضعيف إسناده، وهو عنده من رواية الثقات نازل، فيقتصر على العالی، ولا يطول بإضافة النازل إليه، مكتفيا بمعرفه أهل الشأن فی ذلک، وهذا العذر قد رويناه عنه تنصيصا''.

''وہ اس ضعیف شخص کے ذریعہ سند عالی حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ مذکورہ حدیث ان کے پاس ثقہ راویوں سے

سند نازل کے ساتھ ہے، پس ایسے مواقع پر سند عالی پر اکتفاء کرتے ہیں اور طوالت کے خوف سے سند نازل کو ذکر نہیں کرتے، کیونکہ اہل فن کے مابین وہ حدیث معروف ہوتی ہے، یہ عذر امام مسلم سے ہی ہمیں نصًّا روایت کی گئی ہے‘‘ [المنہاج: ۲۵/۱]

خود امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’إنما أدخلت من حديث أسباط وقطن وأحمد ما قد رواه الثقات عن شيوخهم إلا أنه ربما وقع إلي عنهم بارتفاع ويكون عندي من رواية أوثق منهم بنزول فأقتصر على ذٰلك، وأصل الحديث معروف من رواة الثقات‘‘

’’جن احادیث کو ثقہ راویوں نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہیں انہیں میں نے اسباط، قطن اور احمد سے اس لیے روایت کی ہیں کیونکہ وہ مجھے ان کے واسطے سے سند عالی کے ساتھ ملیں اور ثقہ راویوں سے سند نازل کے ساتھ، پس سند عالی کے ساتھ ہی میں نے روایت کرنے پر اکتفاء کیا، کیونکہ اصل حدیث ثقہ راویوں کی روایت سے مشہور ومعروف تھی‘‘ [المنہاج: ۲۵/۱]

آج بھی اہل علم کے یہاں سند عالی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اسی لیے آپ پائیں گے کہ متعدد عرب مشائخ ہندوستان کا سفر کرتے ہیں اور ہمارے مُعَمَّر مشائخ سے سند اجازہ حاصل کرتے ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں سب کی سند غالبًا میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ تک ہی پہنچتی ہے۔ اور ان کے سب سے پرانے تلامذہ (ایک یا دو واسطے کے ساتھ) ہندوستان میں موجود ہیں۔ غالبًا شیخ محمد الاعظمی حفظہ اللہ (استاد محترم شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ کے والد بزرگوار) اس وقت سب سے عالی سند رکھتے ہیں۔ آپ میاں صاحب کے چار تلامذہ سے اپنی احادیث روایت کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ان کے علاوہ بھی ہندوستان میں آج کسی کو یہ شرف حاصل ہے یا نہیں۔

جہاں تک کتب حدیث کی بات ہے تو امام مسلم، ابوداوٗد اور نسائی کے یہاں سب سے عالی سند رباعی ہے۔ رباعی کا مطلب یہ کہ ان کے اور نبی ﷺ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں۔ ان تمام کتب میں کوئی بھی حدیث ثلاثی سند سے مروی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ تمام کے تمام تیسری صدی ہجری کے علماء ہیں۔ ان کے بالمقابل امام طبرانی خوش نصیب ہیں، تین سو ساٹھ ہجری میں وفات پانے کے باوجود ان کے یہاں بعض احادیث ثلاثی سند سے موجود ہیں۔ بلکہ ’’**ثلاثيات الطبراني**‘‘ کے نام سے ایک کتاب ہی موجود ہے۔

امام ترمذی کے یہاں صرف ایک حدیث ثلاثی سند سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

حدثنا إسماعيل بن موسى الفزاری ابن بنت السدی الكوفی، قال: حدثنا عمر بن شاكر، عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: "يأتی على الناس زمان الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر" [حديث نمبر: ٢٢٦٠]

غورفرمائیں! اس میں امام ترمذی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں: اسماعیل الفزاری، عمر بن شاکر اور انس رضی اللہ عنہ۔ لیکن یہ سند متکلم فیہ ہے، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ [سلسله صحيحه: ٦٤٥/٢، ح:٩٥٧]

امام ابن ماجہ کے یہاں اس طرح کی پانچ حدیثیں ہیں جو ثلاثی سند سے مروی ہیں۔ ان کے نمبرات ہیں: ۳۲۶۰، ۳۳۱۰، ۳۳۵۶، ۳۴۷۹، ۴۲۹۲

یہ پانچوں احادیث ایک ہی سند سے مروی ہیں، وہ سند ہے: **حَدَّثَنَا جُبَارَةُ بْنُ الْمُغَلِّسِ قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.**

یہ سند بھی ضعیف ہے۔ جبارۃ بن المغلس اور کثیر بن سلیم دونوں ضعیف ہیں۔ دیکھیں: [تقريب التهذيب، ترجمه نمبر: ٨٩٠، و٥٦١٣]

کتب ستہ میں ثلاثی اسانید سے مروی احادیث سب سے زیادہ امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں ہیں۔ تکرار کے ساتھ بائیس (۲۲) اور بغیر تکرار کے ان کی تعداد سولہ (۱۶) ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان تمام ثلاثیات کو پانچ اسانید سے روایت کرتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱. **حدثنا أبو عاصم الضحاک بن مخلد، عن يزيد بن أبی عبيد، عن سلمة بن الأكوع رضی اللّٰه عنه**

۲. **حدثنا المكی بن إبراهيم، حدثنا يزيد بن أبی عبيد، عن سلمة بن الأكوع رضی اللّٰه عنه**

۳. **حدثنا محمد بن عبد اللّٰه الأنصاری، حدثنا حميد، عن أنس رضی اللّٰه عنه**

۴. **حدثنا عصام بن خالد، حدثنا حريز بن عثمان، أنه سأل عبد اللّٰه بن بسر صاحب النبی ﷺ**

۵. **حدثنا خلاد بن يحيیٰ، حدثنا عيسیٰ بن طهمان، قال: سمعت أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه.**

بہت سارے علماء نے امام بخاری رحمہ اللہ کی ان ثلاثیات کو جمع کرنے اور ان کی شرح کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً:

۱. **الفرائد المرويات فی فوائد الثلاثيات لمحمد بن إبراهيم الحضرمی المری (ت۷۷۷ھ)**

۲. **شرح ثلاثيات البخاری للبرماوی (ت ۸۳۱ھ)**

۳. **كفاية القارى بشرح ثلاثيات البخارى لحميد الدين السندى المكى الحنفى** (ت ۱۰۰۹ هـ)

۴. **تعليقات القارى على ثلاثيات البخارى للملا على بن سلطان القارى** (ت ۱۰۱۴ هـ)

۵. **منحة البارى بشرح ثلاثيات البخارى للشيخ محمد بن عمر بن سالم بازمول**

یہ تمام کتابیں الحمدللہ مطبوع ہیں۔

ثلاثیات کی اس بحث میں امام دارمی، عبد بن حمید اور امام احمد کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔

امام دارمی کی مسند میں اس طرح کی پندرہ (۱۵) احادیث ہیں۔ عبد بن حمید الکشی کے یہاں ان کی تعداد اکاون (۵۱) ہے۔ اور مسند احمد کے اندر ان کی تعداد تین سو بتیس (۳۳۲) ہیں۔ مسند احمد کے ان تمام احادیث کی علامہ سفارینی نے شرح کی ہے۔

کتب ستہ میں کوئی بھی ثنائی سند موجود نہیں ہے۔

یہ شرف اور سعادت امام مالک رحمہ اللہ کے حصے میں وافر مقدار میں آئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤطا امام مالک میں ان ثنائیات کی تعداد کتنی ہے؟

علامہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین میں ان کی تعداد تقریبا چالیس (۴۰) بتائی ہے۔ جبکہ درحقیقت ان کی صحیح تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

استاد محترم فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ نے مؤطا کی ان ثنائیات کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے جو "**دار غراس کویت**" سے مطبوع ہے۔ شیخ نے سببِ تالیف یہ بیان کیا ہے کہ جب انہوں نے علامہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا یہ قول دیکھا تو مؤطا سے ان چالیس (۴۰) احادیث کو جمع کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جب آپ نے اس پر کام شروع کیا تو ابھی ایک تہائی کتاب تک نہیں پہنچے تھے کہ ان ثنائیات کی تعداد چالیس (۴۰) پہنچ گئی۔ پھر جب اپنی بحث سے فارغ ہوئے تو ان کی تعداد ایک سو ترپن (۱۵۳) تک پہنچ چکی تھی۔

لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ مؤطا امام مالک میں ان ثنائیات کی تعداد ایک سو ترپن (۱۵۳) ہے۔

مطبوعہ کتب میں ثنائیات ہی سب سے عالی سند تصور کی جاتی ہے، حالانکہ ھمام بن منبہ رحمہ اللہ کی "**الصحيفة الصحيحه**" کی سند اس سے بھی عالی ہے۔ الحمدللہ شیخ علی حسن علی عبد الحمید کی تحقیق سے یہ کتاب "**المكتب الاسلامى بيروت**" اور "**دار عمار اردن**" سے مطبوع ہے۔

اس کتاب میں کل ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث موجود ہیں، اور ان تمام احادیث میں ان کے اور نبی ﷺ کے

درمیان صرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ ہے۔

اس کتاب کی تمام احادیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ امام احمد کی سند ہے: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

صرف پہلی حدیث میں امام احمد نے یہ سند بیان کی ہے، اس کے بعد آگے کی تمام احادیث میں وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

امام معمر بن راشد رحمہ اللہ نے بھی اپنی جامع میں اس کی اکتیس (۳۱) احادیث کو روایت کیا ہے۔

صحیحین کے اندر بھی اس کی بہت ساری احادیث موجود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ محدثین کے نزدیک سند عالی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ شروع سے لے کر آج تک اس کی جستجو برقرار ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ عالی ہونے کے ساتھ ساتھ اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس کی بہت زیادہ علمی قیمت ہے، ورنہ وہ صرف باعث شرف ہی ہے، اس سے کسی حدیث کی قوت نہیں بڑھتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بقیہ صفحہ......۳۸......کا

الغرض اس تعالم کے باعث شرعی مسائل میں بلا علم وتحقیق اور فقہی بصیرت کے فتویٰ دینے کا چلن عام ہے۔ جس کے بھیانک نتائج اور تباہ کن اثرات سے امت مرحومہ جوجھ رہی ہے اور بلندی کو پستی کی طرف، روشنی کو اندھیرے کی طرف، استقامتِ فکر کو کج فکری کی طرف، اور یقین کو شک وتذبذب کی طرف ترقیٔ معکوس کرنے کا پورا موقع مل رہا ہے، جو انتہائی افسوسناک، المناک اور غور طلب امر ہے۔

لہٰذا ملت کے اربابِ حل وعقد، امت کے بہی خواہ وغیرت مند حضرات بشمول علماء واعیان وطلاب علوم نبوت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس وبا کے خاتمہ کے لئے کمر بستہ ہوں۔ اس فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لئے عملی طور پر میدان میں اتریں۔ منصب افتاء کے وقار کو بحال کرنے کے لئے ایک مستحکم لائحہ عمل تیار کریں۔ علماء کی جماعت میں در آئے ان نا اہل مفتیوں کی خطرناکیوں سے نونہالانِ قوم وملت اور فرزندانِ دین وامت کو آگاہ کریں اور ان کی کارستانیوں سے پردہ اٹھائیں۔ تاکہ اس فتنہ کا سدباب اور اس مرض کا خاتمہ ہو۔ نیز ایسی روح پرور علمی وتحقیقی فضا پیدا ہو جس کی عطر بیزیوں سے مشام جاں معطر، ذہن ودماغ روشن اور منور ہو جائیں۔ اور امت میں انتشار وخلفشار اور عوام الناس کے یہاں شک وتذبذب کا ماحول ختم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرورِ نفس سے محفوظ رکھے، اور اپنے قول وعمل میں اخلاص کی توفیق عطا فرمائے۔

فتویٰ بازی......ایک لمحہء فکریہ

جمیل احمد ضمیر سنابلی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

دینی مسائل اور شرعی معاملات میں فتویٰ دینا انتہائی حساس اور ذمہ دارنہ فرض منصبی ہے۔جس کے تقاضوں سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے دینی علوم پر مکمل دسترس، کتاب وسنت کی صحیح سمجھ،نصوص کا استحضار، مقاصدِ شریعت پر گہری نظر، قیاس واستنباط کا ملکہ، مسائل کی نوعیت کا ادراک، احادیث کی صحت وضعف کا علم، اورزمان ومکان کی نزاکتوں سے واقفیت بنیادی شرائط میں سے ہے۔

نیز مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خلوصِ نیت، وقار وسکینت، اورتقویٰ وطہارت کا پیکر ہو، عدل وانصاف، راست بازی، اورسچائی کا خوگر ہو، خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی اس کا مطمحِ نظر ہو،تعصب وتحزب اور جانبداری سے کنارہ کش ہو۔نفسانی خواہشات اور رکیک جذبات سے پاک ہو۔ دورنگی، خوشامد وجبین سائی اورضمیر فروشی جیسے رذیل اخلاق واطوار سے کوسوں دور ہو۔ کھنکتے سکوں کی لالچ، شہرت وناموری کی ہوس اور جاہ ومنصب کی حرص جیسی آلائشوں اورآلودگیوں سے دامن بچائے رکھنا اس کا طرۂ امتیاز ہو۔

مزید برآں مفتی پرلازم ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتے وقت تحقیق وتثبت سے کام لے، اس کے تمام پہلوؤں پر مکمل غوروخوض کئے بغیر فتویٰ جاری نہ کرے، اور بلا کسی مضبوط بنیاد اورقوی دلیل کے کوئی رائے قائم کرنے سے یکسر پرہیز کرے۔ لوگوں کے اندر اطاعتِ رسول اور اتباع سنت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے، اوراس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ انہیں رجال واشخاص سے وابستہ کرنے کے بجائے دلیل سے جوڑے، اور براہ راست کتاب وسنت کے ایمان افروز سرچشموں کی طرف موڑے۔ تقلید وتقید کی بوجھل بیڑیوں، اور جمود وتعطل کی بھول بھلیوں سے نکال کر قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے ان کے اذہان وقلوب کو بہرہ مند کرے۔

اسی طرح تواضع وخاکساری کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑے چنانچہ اگر کسی مسئلہ میں علم نہ ہو تو اپنے بالمقابل کسی جانکار عالم کی طرف سائل کی رہنمائی کردے۔ نیز کسی مسئلے میں اپنی غلطی واضح ہوجانے کے بعد اس سے فوراً رجوع کرلے اور حق کے سامنے سرِتسلیم خم کردے۔

منصوص اور اجماعی مسائل میں اپنے ذوق ومزاج اور عقل وقیاس کو خواہ مخواہ دخل دینے سے کلی طور پر اجتناب

کرے۔اختلافی مسائل میں مختلف آراء واقوال کے مابین ترجیح کی بنیاد پرفتویٰ دے،چنانچہ جوقول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی،اورشریعت کی روح اورمنشا کے زیادہ قریب ہواسے اپنائے۔البتہ کوئی نیا قول یانئی رائے ایجاد کرنے سے قطعاً اجتناب کرے۔اوراگرکسی مسئلے میں جملہ آراء واقوال کے مآخذ مضبوط ومستحکم ہوں،اوردلیلیں متجاذب ہوں تو ایسی صورت میں وسعت نظری،اورکشادہ دلی سے کام لے،اوراس میں اختلاف کوزیادہ ہوانہ دے۔

نیز اجتہادی وقیاسی مسائل جن کے متعلق کتاب وسنت میں واضح نصوص واشارات نہ ہوں میں فتویٰ دیتے وقت غایت درجہ احتیاط سے کام لے،چنانچہ متعلقہ فقہی قواعد،شریعت کے عمومی مزاج،اورمصالح ومفاسد کوملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اعتدال ومیانہ روی پرمبنی ایسافتویٰ دے جونہ تو شریعت کی روح سے متصادم ہو،اورنہ ہی لوگوں کے لئے کسی واقعی مشقت اورحرج کا سبب ہو۔یعنی نہ توتسہیل وتیسیر کادروازہ چوپٹ کھلا رکھے،اورنہ ہی تشدداورسختی کوبہرحال روا رکھے۔ اسی طرح نہ ہی کسی مسئلہ میں بزورتاویل ایسی وجہ جواز نکالنے کی کوشش کرے جوشرعی اصول اورتقاضوں کے خلاف ہو۔

مزید برآں مفتی کوچاہیے کہ وہ اکابراہل علم کی جماعت اورقدرآورعلمی شخصیات کی طرف بالخصوص پیچیدہ وحساس مسائل میں ضرور رجوع کرے۔ان کے بلند پایہ افکاروخیالات اورگرانقدرعلمی تجربات سے استفادہ کی بھرپورکوشش کرے اوراس سلسلے میں کوئی جھجھک اورعارنہ محسوس کرے۔نیزعلمی اَنا،اورتعالُم (دعوائے علمیت) سے بالکل گریز کرے،کیونکہ تعالم اس دورکاایک بڑافتنہ اورالمیہ ہے۔

چنانچہ آج تعالم کے نتیجے میں میدان دعوت وتبلیغ اورمنصب افتاءکوہرکہ ومہ اورہماشُما نے اپنی جولانگاہ بنالیاہے۔ علمی بے بضاعتی،فقہی بے بصیرتی اورفکری کم مائیگی کے باوجوداس میدان میں اچھل کودمچانے والے مفتیوں کاایک سیل رواں امنڈ پڑاہے۔منصب افتاء کے بارِگراں سے سبکدوش ہونے،اوراس کے تقاضوں کوکماحقہ پوراکرنے کے لئے مطلوبہ علمی استعداداوراہلیت مفقودہے۔لیکن پَر جمنے سے پہلے اونچی اڑان بھرنے کےشوق میں بزعم خویش ”أنا لَها أنا لَها“(اس کااہل میں ہوں) کابلندوبانگ نعرہ،اوروسیع وعریض دعویٰ،گویازبان حال سے کہہ رہے ہوں:

جوبڑھ کرخوداٹھالے ہاتھ میں میٖنااسی کاہے۔

اورطرفہ تماشہ یہ کہ اس قسم کےبعض نااہل مفتیوں پرفقیہ امت،مجتہدملت،مفتی الأنام اورشیخ الاسلام بننے کا بھوت اتنی بری طرح سوارہے کہ وہ اپنے بالمقابل ربانی علماء،مقتدرفقہاءاورباصلاحیت طلباءکودرخوراعتناءنہیں سمجھتے۔اورہر چھوٹے بڑے مسئلے میں بےدریغ اظہاررائے کرتے،اوراندھادھندفتوے جھاڑتے رہتے ہیں۔

بقیہ صفحہ......۳۶......پر

کیا عید کے دن تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم کہنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

الحمد لله رب العالمين ،والصلاة والسلام على رسوله الامين،اما بعد:

محترم قارئین! کئی سالوں سے میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک امیج عید سے ایک یا دو دن پہلے گردش کرنے لگ جاتی ہے جس میں لکھا ہوا ہے:

عید کی مبارک باد دینے کا طریقہ

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عید کے دن نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور میں نے کہا:

''تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ ''،''اللہ ہمارے اور آپ کے نیک اعمال کو قبول فرمائے''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں ضرور ''تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ''،''اللہ ہمارے اور آپ کے نیک اعمال کو قبول فرمائے'' [السنن الكبرىٰ للبيهقي:٦٠٨٨ وحسنه الالباني]

پھر نیچے اردو اور انگلش میں مجلس علمی سوسائٹی لکھا ہوا ہے۔

مذکورہ روایت کو- میرے علم کی حد تک -علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں حسن نہیں کہا ہے بلکہ آپ رحمہ اللہ نے اِسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔دیکھیں:[سلسلة الاحاديث الضعيفة :٣٨٥/١٢، ح: ٥٦٦٦]

لہٰذا امیج میں جو یہ لکھا ہوا ہے:''وحسنه الالباني '' ''علامہ البانی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو حسن کہا ہے''۔وہ بلا شبہ غلط لکھا ہوا ہے۔

مذکورہ روایت کی سند میں محمد بن ابراہیم الشامی ہے جو کہ منکر الحدیث، کذاب اور شامیوں پر حدیث گھڑنے والا راوی ہے۔

دیکھیں:[تهذيب الكمال في اسماء الرجال للمزي بتحقيق بشار عواد :٣٢٤/٢٤، ت:٥٠٣٠]

اور یہ روایت اُس نے ایک شامی سے ہی بیان کی ہے، نیز اِس روایت کو بیان کرنے میں یہ منفرد بھی ہے لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔واللہ اعلم۔

اب تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اِس امیج کو نشر نہ کریں۔

رہی بات عید کے دن" تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم "کہنے کی تو یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔والحمدللہ۔

(پہلااثر) جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كان اصحاب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد، يقول بعضهم لبعض:"تقبل اللّٰه منا ومنک"

نبی کریم ﷺ کے صحابہ جب عید کے دن ملاقات کرتے تو بعض صحابۂ کرام بعض سے:" تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ" کہتے تھے۔[صلاة العيدين للمحاملي بتحقيق نور الدين :ص:۲۱۸، ح:۱٤۷]

امام ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اِس اثر کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

دیکھیں:[فتح الباری:۲/٤٤٦، تحت الحدیث:۹۵۰]

(دوسرااثر) محمد بن زیاد الالہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"كُنَّا ناتى اَبَا اُمَامَة وواثلة بن الْاَسْقَع فِى الْفطر والاضحى، ونقول لَهما:قبل اللّٰه منا ومنكم، فَيَقُولَانِ:ومنكم ومنكم"

ہم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن ابوامامہ اورواثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما کے پاس جاتے تو کہتے:"قَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ" اللہ ہمارے اورآپ کے(نیک اعمال کو) قبول فرمائے،پھر دونوں صحابی رسول جواب دیتے:"ومنكم ومنكم" اورآپ کے بھی اورآپ کے بھی۔[مختصر اختلاف الفقهاء للطحاوى ، اختصار الجصاص بتحقيق الدكتورعبد الله نذير احمد :٤/٣٨٥]

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے مذکوراثر کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

دیکھیں:[فتاوىٰ علميه :۲/۱۳۳-۱۳٤]

(خلاصۃ التحقیق) عید کے دن" تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم" کہنے پر دلالت کرنے والی مرفوع روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن نہیں کہا ہے بلکہ سخت ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

ہاں عید کے دن صحابہ سے "تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم "کہنا ثابت ہے لہٰذا ہم عید کے دن" تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُم" کہہ سکتے ہیں۔واللہ اعلم۔

☆☆☆

☆

اعمال صالحہ کی تجارت رب کے ساتھ

نسیم احمد انصاری

معزز قارئین: ہم تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ نے ہماری زندگی اور اسباب زندگی کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا مقصد متعین کرنے کے ساتھ ہی تمام ضروریات کو بھی پیدا فرمایا تاکہ انسان کبھی بھی مقصد زندگی سے روگردانی نہ کر سکے، اور نہ ہی ہٹ سکے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جس جنت کا وعدہ کیا ہے، بندہ بآسانی اس جنت تک بحسن وخوبی پہنچ سکے۔

موضوع کی وضاحت: جس طرح انسان زندگی میں کاروبار کر کے اپنی روزی روٹی کو بڑھاتا ہے، اور بہت ساری جائداد جمع کر کے بے شمار دولت کا مالک بن جاتا ہے، اسی طرح اچھے اعمال کی تجارت بھی ہے کہ انسان اچھے اچھے اعمال کر کے اپنے آپ کو اللہ سے قریب کر لیتا ہے، جنت میں اعلیٰ مقام ومرتبہ کا حق دار بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بطور تکریم فرشتوں میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں، یہ صرف اچھے اعمال ہی کی بدولت ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ بندے کو تھوڑے اعمال پر بے شمار اجر عطا فرماتا ہے، دنیا وآخرت کی ساری سعادتیں نچھاور کر دیتا ہے، صدقہ کی مثال آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ صدقہ پر بندے کو کتنا زیادہ عطا فرماتا ہے آپ اس آیت سے معلوم فرمائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے“ [البقرة: ٢٦١]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، میں تمہیں کئی گنا زیادہ اجر وثواب دوں گا۔ وہ اس طرح کہ ایک کا سات سو بلکہ اس سے زیادہ عطا کروں گا۔ یہ بے مثال فضل وکرم اور انعام سوائے رب کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا ہے۔

اور رسول ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

”مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ ،وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ“ ”جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس میں زیادتی کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے تا آنکہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔[صحيح البخاري: ۱٤۱۰]

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں پاک مال سے صدقہ کرتا ہے، تو اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے، اور اللہ کی حفاظت حاصل ہو جائے اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے، یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ معمولی صدقہ کو بھی اس طرح پالتا پوستا اور پرورش کرتا ہے، جیسے کوئی اپنے شیر خوار بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، سبحان اللہ! کتنا عظیم ہے میرا رب! اسی لئے ہم سب کو چاہیے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ زیادہ سے صدقہ کریں، یہ صدقہ ہماری نجات، اور مال واولاد میں برکت کا سبب بنے گا، اور دنیا و آخرت میں ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دے گا۔ ان شاء اللہ

پیارے رسول ﷺ نے صدقہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”صَنائِعُ المعروفِ تَقِي مصارعَ السُّوءِ، والصدَقةُ خِفيًا تُطفِيء ُغضبَ الرَّبِّ، وصِلةُ الرَّحِمِ تَزيدُ في العُمرِ، وكلُّ معروفٍ صدقةٌ، وأهلُ المعروفِ في الدُّنيا هُم أهلُ المعروفِ في الآخِرةِ“ ”بھلائی کرنا بری موت سے بچاتا ہے، چھپا کر دیا گیا صدقہ رب کے غصہ کو بجھاتا ہے، صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، اور ہر نیکی صدقہ ہے، دنیا میں نیکی کرنے والے قیامت کے دن بھی بھلائی پانے والے ہوں گے۔[صحيح الترغيب: ۸۹۰]

اس حدیث سے معلوم ہوا اللہ سے اجر عظیم پانے کیلئے ہمیشہ نیکی اور صدقہ کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہئے، کیونکہ جو شخص بھی اللہ سے نیکی اور صدقہ کے ذریعہ تجارت کرتا ہے وہ کبھی بھی نقصان میں نہیں رہتا ہے، کیونکہ جب بندہ اچھے اعمال کے ذریعہ اللہ سے سودا کرتا ہے، تو اللہ بندے کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے جسے دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں دے کر بھی خریدنا ناممکن ہوتا ہے۔

صدقہ بہت ہی عظیم عمل ہے، اس کے فوائد دنیا و آخرت میں پھیلے ہوئے ہیں، قیامت کا ہولناک دن ہوگا، اور اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والے شخص کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عنایت فرمائے گا۔ ارشاد نبوی ہے:

”وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ“ ”وہ انسان جو صدقہ کرے اور

اسے اس درجہ چھپائے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔[صحیح بخاری:١٤٢٣]

اللہ نے ہماری زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے بہت سے اعمال اور اوقات میں خوب برکت رکھی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہمیں جہنم سے بچا کر جنت دینا چاہتا ہے، مثلاً اللہ نے رمضان کی ایک رات کی عبادت کو ہزار مہینہ کی عبادت سے بہتر بتایا ہے، جسے قرآن لیلۃ القدر کا نام دیتا ہے، اسی طرح مسجد حرام میں ایک نماز کا اجر وثواب دوسرے مساجد کے بالمقابل ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، اور ایک نیکی کا بدلہ دس گنا دیتا ہے، پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کی طرح ہے گویا ادائیگی میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس، یہ سب اللہ کا فضل وکرم نہیں ہے، بندوں سے محبت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

معزز قارئین! انسانی مزاج مفاد پرست اور جلد باز واقع ہوا ہے، ضرورتیں اسے حرکت وعمل پر مجبور کرتی ہیں، اس لئے یہ سمجھنا بے حد ضروری ہے کہ ہمیں نیک اعمال کی ضرورت کیوں ہے؟

جہنم سے نجات اور جنت کا حصول، تخلیق انسانی کے مقصد کی تکمیل کی بنیاد ہی ربانی ہدایات کی اتباع اور اچھے اعمال کی ادائیگی پر رکھی گئی ہے، اگر اچھے اعمال اور رب العالمین کی اطاعت نہیں ہوگی تو رب کا وعدہ بھی پورا نہ ہو پائے گا، آپ نے اصحاب کہف کو نہیں جانا، اللہ نے ان کی حفاظت کی، ان کے دین وایمان کی حفاظت کی، ان کے مشن کی حفاظت کی، کیونکہ ان کے پاس اعمال صالحہ کا خزانہ تھا، ایمان، دعوت وتبلیغ، صبر وتحمل، دعاء واستقامت، توکل علی اللہ کیا نہیں تھا، واقعی ان کی زندگی اعمال کا خوبصورت گلدستہ تھی۔ آج ہمیں اسی محکم اور مضبوط کردار کی ضرورت ہے۔

آج حالات بے حد خراب ہیں، اعمال صالحہ انجام دینا مشکل ہے، اس لئے ہمیں رب سے دعا کرنی چاہئے، توفیق مانگنی چاہئے، اور نیکی کے مواقع ضائع نہیں کرنے چاہئے، اور ہر حال میں ایمان اور اعمال صالحہ پر ڈٹے رہنا چاہیے، اسی میں نجات اور کامیابی ہے اللہ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے“[النحل:٩٧]

اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم نیک اعمال کریں، اپنے ایمان کی حفاظت کریں، اچھے اچھے اعمال کا اللہ سے سودا کریں، اللہ نے چاہا تو ہم دنیا میں بھی سکون کی زندگی پائیں گے اور آخرت میں اللہ کی جنت میں داخل ہوں گے، جہنم سے نجات پائیں گے، اور اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔ ان شاء اللہ

توحید باری تعالیٰ کی اہمیت و فضیلت

عائشہ فخر الدین نوریہ

انسانوں پر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ان کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری کیا، اپنی آیتیں اتاریں اور ان کے ذریعے اپنی معرفت کے آسان اور روشن راستے بتائے کہ جن کے ذریعے حق و باطل کی معرفت حاصل ہوئی، انسان کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکل کر ایک ایسے راستے پر آ گیا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں، جو چودہویں رات کی طرح چمکتا ہے اور جسے ایمان اور توحید کا راستہ کہا جاتا ہے۔

توحید کا معنیٰ و مفہوم:

لغوی معنی: کسی چیز کو ایک جاننا ایک ماننا

شرعی معنی: اللہ کو اس کے افعال، عبادت اور اس کے اسماء وصفات میں اکیلا اور یکتا ماننا

مفہوم: توحید صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اللہ کو اپنا خالق و مالک سمجھیں تو بس کافی ہو گیا بلکہ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک بندہ اللہ کو اس کے افعال کے ساتھ ساتھ اس کی عبادت اور اسماء وصفات میں بھی اکیلا نہ مان لے، کیونکہ مکہ کے مشرکین بھی اللہ کو اپنا خالق و مالک مانتے تھے پھر بھی ان سے قتال کا حکم دیا گیا اس لیے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو بھی اس کا ساجھی و شریک سمجھتے تھے۔

توحید کی اقسام:

توحید کی تعریف جان لینے کے بعد واضح طور سے اس کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ توحید ربوبیت ۲۔ توحید الوہیت ۳۔ توحید اسماء وصفات

۱۔ توحید ربوبیت: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی ہی ہر چیز کا خالق و مالک، رازق اور متصرف ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن میں اس چیز کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ بطور مثال یہ آیت دیکھیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِی خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [الروم: ٤٠]

۲۔ توحید الوہیت: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اس کی عبادت میں کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں، اور ''لا الہ الا اللہ'' کا مطلب بھی یہی ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اس لیے نماز، روزہ اور ہر

قسم کی عبادت صرف اللہ واحد کے لیے کی جائے گی، اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے عبادت کا ایک معمولی حصہ بھی کرنا جائز نہیں۔اور توحید کی یہی وہ قسم ہے جو ایک مومن وموحد اور ایک مشرک وکافر کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے۔

۳۔ توحید اسماء وصفات: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کیا جائے، اللہ نے جن اسماء وصفات کو اپنے لیے ثابت کیا ہے انہیں ان کے معانی اوران سے متعلق کتاب وسنت میں وارد احکام سمیت اللہ کے جلال وعظمت کے شایان شان اس طرح ثابت کیا جائے کہ نہ کسی صفت کی نفی لازم آئے، نہ اس کا معنیٰ معطل ہو، نہ اس میں کسی قسم کی تحریف ہو، نہ مخلوق کی صفت سے تشبیہ دی جائے اور نہ اس کی کیفیت ہی بیان کیا جائے، اللہ کی ذات سے ان تمام نقائص وعیوب کی نفی ہو اور ہر اس چیز کی نفی کی جائے جو اللہ کی ذات کے منافی ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

”کہہ دو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اس کو جنا، اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے“[الإخلاص:۱-٤]

دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

”اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے“[الشوریٰ:۱۱]

توحید کی اهمیت:

توحید کا معنیٰ ومفہوم اوراس کی قسمیں جان لینے کے بعد آیئے اب یہ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں توحید کی کیا اہمیت ہے، تو دیکھیں یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ توحید کی اہمیت بتانے کے لیے ہی ہے اگر آنکھیں دیکھتی ہوں اور دل سمجھتے ہوں، لیکن بطور نمونہ ذیل کے سطور میں اس کی اہمیت کے تعلق سے چند جہات قلمبند کیے جارہے ہیں:

۱۔ دنیا میں جتنے بھی انبیاء ورسل آئے سبھی کا مشن ایک تھا اور وہ ہے اللہ کی توحید کا اعلان اور تمام معبودان باطلہ سے براءت کا اظہار

۲۔ انسان کی نیکیوں اوراچھائیوں کے قبول کیے جانے کی سب سے بڑی بنیاد توحید ہی ہے۔

۳۔ توحید نہ ہو تو کسی نبی سے قرابت ورشتہ داری بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی طوفان میں ڈبو دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولہب کی رشتہ داری بھی کسی کام نہیں آئی۔

۴۔ اللہ نے خود اپنی معرفت یعنی توحید کی جانکاری حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔

۵۔ قرآن کی ابتداء وانتہا اسی توحید پر ہے۔

۶۔ توحید اللہ کا بنیادی حق ہے جس کا ادا کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔

شیخ سید بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''توحید ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت ایک مومن نیکی، عمل صالح، اخلاق حسنہ، ایمانداری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے بلکہ اسی توحید سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے اور اسی سے امت کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے، توحید ہی کی بدولت آپس میں بگڑے ہوئے دل ملیں گے، بغض وحسد اور کینہ سے صاف ہوں گے'' [مقدمه دعاية الإيمان إلى توحيد الرحمن مجموعه رسائل عقيده نواب صديق حسن خان: ۳۰۶/۲]

توحید کے فضائل و فوائد اور ثمرات:

توحید کے بڑے عظیم فضائل، لائق تعریف ثمرات اور بہترین نتائج ہیں، جہاں قرآن وحدیث میں اہل توحید کے اعزاز واکرام، انہیں دنیا میں عطا کی جانے والی نصرت وتائید اور آخرت میں ملنے والی عزت وتکریم کی خبر دی گئی ہے وہیں شرک کی مذمت بھی بیان کی گئی ہے، اہل شرک اور انہیں دنیا وآخرت میں ملنے والی پھٹکار، لعنت و ملامت اور بھیانک سزاؤں وعذاب کی خبر دی گئی ہے اور یہی توحید سے منہ موڑنے والے کا انجام ہے، ہم مندرجہ ذیل سطور میں توحید کے کچھ فیوض وبرکات اور اس کی فضیلتوں کا تذکرہ کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں:

۱۔ توحید خالص سے دنیا وآخرت میں امن وسلامتی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ ''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں'' [الأنعام: ۸۲]

۲۔ موحدین کے لیے جنت کی خوش خبری ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ''

''جو شخص ملے اور وہ گواہی دیتا ہو لا الہ الا اللہ کی دل سے یقین رکھ کر تو خوشخبری دو اس کو جنت کی'' [صحيح مسلم: ۳۱]

۳۔ توحید کا اقرار کرنے والے پر جہنم حرام کردی جاتی ہے۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ؛ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ''

''اللہ تعالیٰ نے لا إلہ إلا اللہ کہنے والے پر اگر اس کا مقصد خالص اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے'' [صحيح بخاری:٤٢٥]

۴۔ دنیا وآخرت کے خیر وبھلائی کا راز اسی توحید میں پنہاں ہے کیونکہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور جو اللہ کو پہچان جائے اور اس کے ایک ہونے کا اقرار واعتراف کرلے تو ایسے انسان کے لیے مکمل خیر ہے۔

۵۔ توحید کی بنا پر ہی اللہ انسان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی خطاؤں کو درگزر کر دیتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کہتا ہے:''يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ، وَلَا أُبَالِي .يَا ابْنَ آدَمَ، لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي .يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً''

''اے آدم کے بیٹے ! جب تک تو مجھ سے دعائیں کرتا رہے گا اور مجھ سے اپنی امیدیں اور توقعات وابستہ رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا، چاہے تیرے گناہ کسی بھی درجے پر پہنچے ہوئے ہوں، مجھے کسی بات کی پرواہ وڈر نہیں ہے، اے آدم کے بیٹے ! اگر تیرے گناہ آسمان کو چھونے لگیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرنے لگے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کسی بات کی پرواہ نہ ہوگی۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو زمین برابر بھی گناہ کر بیٹھے اور پھر مجھ سے (مغفرت طلب کرنے کے لیے) ملے لیکن میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس اس کے برابر مغفرت لے کر آوں گا (اور تجھے بخش دوں گا)'' [سنن ترمذی:٣٥٤٠، صحيح]

٦۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کے حصول کے لیے توحید سب سے بڑا سبب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ''

''قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا، جو سچے دل سے یا سچے جی سے لا إلہ إلا اللہ کہے گا'' [صحيح بخاری:٩٩]

۷۔ دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی توحید اور ایمان ہو تو ایسے انسان کو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **"لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ"**

"جہنم میں نہ جائے گا (یعنی ہمیشہ کے لیے) وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو" [صحيح مسلم:٩٩]

۸۔ جو بندہ بھی اللہ کی توحید کا اقرار کر لے اللہ اسے ہر قسم کے عذاب اور پریشانیوں سے دور کر دیتا ہے کیونکہ یہ اُس موحد بندے کا اللہ پر حق ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"وَحَقَّ العِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لاَ يُعَذِّبَ مَنْ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا"**

"اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اللہ اسے عذاب نہ دے" [صحيح البخاری:٢٨٥٦]

توحید کے بجائے شرک کا راستہ اختیار کرنے کا انجام:

اگر کوئی شخص توحید کا راستہ اختیار نہیں کرتا بلکہ من مانی زندگی گزارتے ہوئے کسی بھی چیز یا ذات کو اپنا معبود سمجھ بیٹھتا ہے تو ایسا انسان سراسر خسارے کا سودا کر رہا ہے، ہم یہاں پر توحید کا راستہ چھوڑ دینے کے چند نقصانات کا تذکرہ کر رہے ہیں:

۱۔ توحید کے بجائے کفر و شرک پر مرجانے والے کی بخشش ہرگز نہیں ہوگی۔ ﴿**إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالا بَعِيدًا**﴾

"اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا" [النساء:١١٦]

۲۔ ایسے شخص پر جنت حرام ہو جاتی ہے اور جہنم کو اس کا ٹھکانہ بنا دیا جاتا ہے۔ ﴿**إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ**﴾

"جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا" [المائدة:٧٢]

۳۔ ایسے شخص کو مسلمانوں کی دعائے مغفرت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ﴿**مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ**﴾

''پیغمبرکواور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں'' [التوبة:١١٣]

۴۔ ایسے شخص کی دنیا میں کی جانے والی تمام نیکیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

''اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو یقیناً ان سے ضائع ہو جاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے'' [الأنعام:٨٨]

۵۔ ایسے شخص کو اللہ بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور اس کے عمل سے براءت کا اظہار کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کہتا ہے:''أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ''

''میں بہ نسبت اور شریکوں کے محض بے پرواہ ہوں ساجھی سے، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو ملایا اور ساجھی کیا تو میں اس کو اور اس کے ساجھی کے کام کو چھوڑ دیتا ہوں'' [صحيح مسلم:٢٩٨٥]

۶۔ ایسا شخص کسی بھی در پر حاضری دے دیتا ہے، کہیں بھی ماتھا ٹیک دیتا ہے، کسی کو بھی اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ لیتا ہے۔

۷۔ ایسا شخص قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کر دیا جائے گا۔

جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ'' ''قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا، جو سچے دل سے یا سچے جی سے لا إلہ إلا اللہ کہے گا'' [صحيح بخاري:٩٩]

۸۔ ایسا شخص اگر زمین کے برابر بھی سونا دے کر اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کرنا چاہے تب بھی اس کا یہ آفر قبول نہیں کیا جائے گا۔﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾

''بیشک جو لوگ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں۔ ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گو فدیئے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں'' [آل عمران:٩١]

مسلمانوں اور بطورِ خاص اهلِ توحید کو پیغام:

میرے دینی بھائیواور بہنو! اپنے دین کی حفاظت کرو، اپنے ایمان میں بدعات کی ملاوٹ سے بچو، توحید کوشرک کی آمیزش سے پاک کرلو، اور زندگی میں ہر دن اپنے ایمان وعقیدے کا جائزہ لیتے رہو کیونکہ شیطان کی سب سے پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی موحد کواللہ کی عبادت سے پھیر کر طاغوت کی پیروی کے راستے پر لگادے، اور یادرکھو کہ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلا وَأَنْتُم مُسْلِمُونَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈروجیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور دیکھو تمہیں موت آئے تو تم مسلمان رہو'' [آل عمران:۱۰۲]

خاتمہ بالخیر کی دعائیں مانگتے رہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کیا کرتے تھے: ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾

''کہ اے اللہ! تو مجھے مسلمان کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرلے'' [یوسف:۱۰۱]

ذرا سے فائدے کے لیے کبھی بھی اپنے ایمان اور عقیدے کا سودا نہ کرنا اس لیے کہ ایمان اور توحید اس کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے۔

خاتمہء کلام:

پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ توحید ایک عظیم نعمت ہے، انبیاء ورسل کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی توحید ہے، کائنات کی ہر چیز اللہ کی توحید کا اقرار کرتی ہے، توحید اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، توحید میں ملاوٹ پیدا کردینا شیطان کا سب سے بڑا ہدف ہے، آخرت میں جہنم سے نجات اور جنت میں داخلے کا دارومدار اسی توحید پر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سب سے پہلا مستحق ایک موحد ہی ہے، دنیا وآخرت میں امن وسلامتی اسی توحید کے سبب ملتی ہے اور موحدین کے لیے ہی بہترین اور خوبصورت جگہ مقام اور گھر کا عکس شرک اس دنیا کی سب سے بری، گھٹیا اور حقیر چیز ہے، مشرک اس دنیا کا پلید ترین انسان ہے جس کے لیے اللہ کی رحمت اور اس کی جنت سے دوری ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے لہذا ہم سب کو شرک سے دور رہ کر اپنی توحید اور ایمان کی حفاظت کی فکر کرنا چاہیے۔

اللہ ہمیں جب تک دنیا میں زندہ رکھے ایمان اور توحید کی بقا کے ساتھ رکھے اور جب ہماری موت آئے تو ایمان اور توحید کی حالت میں آئے۔ آمین یارب

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Misbah
THE SISTERS CIRCLE

"مصباح" (آئی آئی سی کا شعبۂ خواتین)

"مصباح" اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی کے زیر اہتمام چلنے والا خواتین کے لئے ایک مستقل شعبہ ہے جو خواتین، بچے اور بچیوں کے لئے آن لائن اور آف لائن کلاسیس اور کورسیز منعقد کرتا ہے۔

کرلا، ساکی ناکہ، اندھیری تینوں سینٹرز پر اس شعبہ کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

الحمدللہ اس شعبہ کے ذریعہ بہت ساری خواتین، ماؤں، بہنوں نے اپنی دینی معلومات میں اضافہ کیا ہے

قرآن کو ترجمہ کے ساتھ، گرامر کے ساتھ، تجوید کے ساتھ

پڑھنا سیکھا ہے اور اپنی نماز کو بھی سنت کے طریقہ پر درست کیا ہے،

مستند دعاؤں اور اذکار کو بھی یاد کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی مزید بہت کچھ سیکھنے کا موقع اللہ کے فضل سے انہیں حاصل ہوا ہے۔

اس شعبہ سے جڑنے کے لئے ان نمبرات پر رابطہ کریں:

کرلا: 8879979066

اندھیری: 7045788253

ساکی ناکہ: 7045788254

یہ نمبرات خواتین کے لئے خاص ہیں۔

Date Of Publication : 1st Of Every Month
RNI No. : MAHURD/2011/49422/Postal Registration No. : MCE/281/2019-21
Posted On 4th And 5th Of Every Previous Month

آن لائن کورس " زوم ایپ پر "

کامیاب شادی شدہ زندگی کے اصول

استاذ : شیخ کفایت اللہ سنابلی / حفظہ اللہ

- شادی شدہ زندگی کو کامیاب کیسے بنائیں؟ لڑائی، جھگڑے، غیر ضروری طلاق، اور خلع سے کیسے بچیں؟
- شوہر بیوی کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟
- ایک سے زائد بیویاں ہوں تو سب کے ساتھ انصاف کیسے ہونا چاہیے؟
- شادی شدہ جوڑے اور نوجوانوں کے لئے ایک اہم تربیتی کورس

اس کورس میں بہت کچھ سیکھنے کا بہترین موقع..........

مکمل کورس فیس: 200 روپئے

15/ ہفتوں کا مختصر کورس

کورس کا آغاز ان شاءاللہ 3/ جولائی 2021

کلاس ہفتہ میں صرف ایک دن

ہر سنیچر شام 8/ بجے سے 8:45 تک

کورس کی نوٹس: اردو اور رومن زبان میں

امتحان اور سرٹیفکیٹ: 23/ اکتوبر 2021 بروز سنیچر

For Admission This Course Call Or WhatsApp
Brother's : 8291063785 | Sister's : 7045788253

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Phone : 8080807836

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

Shop No. 9, Yadav Nagar, Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road, Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | iic mumbai

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post